حالم

EPISODE 02

معزز قارئین آپ سے التماس ہے کہ ہم www.urdusoftbooks.com پر آپ حضرات کے لیے مسلسل اچھی کُتب فراہم کرنے کے لیے کوشاں رہتے ہیں جس کے لیے وقت اور رقم دونوں صرف ہوتے ہیں جس کی غرض سے ہماری اِس ویب سائٹ کُچھ سپانسر اشتہارات لگائے گئے ہیں جب ویب سائٹ وزٹرز اُن اشتہارات میں سے کسی اشتہار پر کلک کرتے ہیں تو ویب سائٹ کو تھوڑی سی آمدن حاصل ہوتی ہے، یہ آمدن ویب سائٹ کے اخراجات کو برداشت کرنے میں معاون ثابت ہوتی ہے اس لیے آپ حضرات سے گزارش ہے کے اپنے Google Chrome یا Mozilla Firefox کی Adblocker Extension کو Pause کر دیں یا صرف ہماری ویب سائٹ کے لیے Pause کر دیں۔ نیچے نظر آنے والی تصویر میں دکھایا گیا ہے کے Adblocker کے Pause ہونے یا انسٹال نہ ہونے کی صورت میں اشتہارات **Green Box** والی جگہ پر ظاہر ہوں گے۔

حالم (نمرہ احمد)

باب دوم:

"گھائل غزال"

اس نے خواب میں دیکھا کہ.....

سنہرے بالوں والی لڑکی دو دریاؤں کے سنگم پہ کھڑی ہے.....

بارش اسی طرح برس رہی ہے.....

سرخ پروں والا پرندہ سامنے کھڑے شخص کے سر پہ چکر کاٹ رہا ہے.....

وہ شخص جو بارش میں بھیگتا جا رہا ہے اور تائی نوچ کے پھینک چکا ہے.....

اور اب وہ ہاتھ میں کیچڑ سے لتھڑی چابی لیے اسے دیکھ رہا ہے.....

پھر وہ ہاتھ پیچھے کر لیتا ہے.....اور چابی اپنی جیب میں ڈال لیتا ہے.....

وہ گردن اٹھا کے دیکھتی ہے تو نیلی آنکھوں والا سرخ سنہرا پرندہ فاتح کے سر سے گزر کے بائیں طرف آرہا ہے.....

وہ چونک کے بائیں جانب دیکھتی ہے تو وہاں ایک نوجوان کھڑا ہے.....

اس کا کوٹ اور شرٹ بھی بارش میں بھیگ گئی ہے.....وہ تالیہ کو دیکھ رہا ہے اور تالیہ اوپر پرندے کو.....

پرندہ فضا میں چند لمحے نوجوان کے سر کے اوپر ٹھہرتا ہے پھر تالیہ کی طرف آتا ہے.....تالیہ کے سر کے اوپر.....وہ گردن پوری اٹھا کے آسمان کو دیکھتی ہے.....

ہما اس کے سر سے کئی فٹ اوپر اپنے پر پھیلائے گزر جاتا ہے.....اس کے سر کے اوپر سے.....عین اوپر سے.....

"میرے ساتھ رہو۔تمہیں میری ضرورت ہے اور مجھے تمہاری۔" وہ آواز پہ چونکتی ہے۔سامنے کھڑا بارش میں بھیگا فاتح اسے پکار رہا ہے۔وہ بدک کے پیچھے ہٹتی ہے.....مڑتی ہے اور دوڑنے لگتی ہے.....مگر ایک پھندا سا اس کے ٹخنے میں جا پڑتا ہے.....رسی کا پھندا.....تالیہ رپٹ کے گرتی ہے.....اس کے لباس اور چہرے پہ کیچڑ لگ جاتا ہے۔ہتھیلیوں کے بل اٹھتے ہوئے وہ مڑتی ہے تو ایک دوسرا پھندا اس کی گردن میں آ پڑتا ہے.....وہ بدقت کھڑی ہوتی ہے.....

اپنی جگہ کھڑے فاتح کی گردن میں بھی ایسا ہی پھندا ہے..... وہ ہراساں نظروں سے بائیں جانب دیکھتی ہے تو نوجوان گھٹنوں کے بل گرا پڑا ہے اور اس کی گردن بھی رسی سے کسی ہوئی ہے.....

"تالیہ۔" داتن نے اس کا کندھا ہلایا تو اس نے چونک کے آنکھیں کھولیں۔

وہ روشنیوں میں نہائے لاؤنج کے صوفے پہ پیر اوپر کر کے بیٹھی تھی۔ خواب فضا میں تحلیل ہو چکا تھا اور وہ حال میں واپس آ چکی تھی۔ تالیہ نے گہری سانس لے کر چہرے سے سیاہ بال ہٹائے اور جوڑے میں لپیٹے۔

"میں چائے بنانے کیا گئی تم تو غافل سو ہی گئیں۔" داتن گرما گرم چائے کا کپ لیے سامنے آ بیٹھی اور قدرے تفکر سے اسے دیکھا۔

"حالم اتنی آسانی سے غافل نہیں ہوتا' بدصورت مرغی!" وہ آواز کو بھاری بنا کے غرائی تو داتن کی ساری فکرمندی ہوا ہوئی۔ اس کی جگہ ترحم اور افسوس نے لے لی۔

"ایک تحقیق کے مطابق کسی سیلبریٹی کو حقیقت میں دیکھ لینے کے چوبیس گھنٹے بعد تک دماغ ماؤف رہتا ہے اور انسان بغیر دماغ کے گھومتا پھرتا ہے۔ اس لئے خیر ہے بچے میں تمہارا درد سمجھ سکتی ہوں۔" اس نے بھاری ہاتھ سے تالیہ کے کندھے کو تھپکا تو تالیہ کے ماتھے پہ بل پڑے۔

"زیادہ اول فول نہ بولو۔ میں فین مومنٹ سے نکل آئی ہوں اور میں کوئی سو نہیں رہی تھی۔ میں اس کا خواب دیکھ رہی تھی... اُف وہ مجھے بار بار خوابوں میں کیوں نظر آنے لگا ہے..." چہرے پہ سادہ تاثرات سجاتے ہوئے اس نے کشن اٹھا کے گود میں رکھا اور ہتھیلیوں پہ ٹھوڑی گرا کے دور چھت کو دیکھنے لگی۔ "ہماری ملاقات تو کوالالمپور میں ہوگئی نا... گدلے پانیوں کے سنگم پہ... پھر وہی خواب' وہی وژن دوبارہ کیوں نظر آ رہا ہے مجھے داتن؟"

"اب کی دفعہ کیا دیکھا؟" وہ اطمینان سے گھونٹ گھونٹ چائے پیتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"آج تو وہ ہمارے سر پہ بھی تھا... پھر کسی نے میری گردن میں پھندا ڈال دیا۔ مجھے لگتا ہے میں پہلے وزیراعظم بنوں گی پھر پھانسی چڑھوں گی۔"

"اوں ہوں۔" داتن نے غصیلی شکل بنا کے اسے دیکھا۔ "کیا فضول بولے جاتی ہو۔ عقل سے کام لو۔"

"عقل' دماغ' دل سب ساتھ چھوڑ گئے میرا' داتن پدوکا۔" اس نے پھر سے چھت کو دیکھتے ہوئے آہ بھر کے کہا۔ "میں نے فاتح رامزل کو اصل میں دیکھ لیا... میں نے اسے جوس پیش کیا... اس نے گلاس اٹھاتے ہوئے میری طرف دیکھا... وہ مسکرایا اور نرمی سے بولا' شکریہ تالیہ۔ تم بہت اچھی ہو۔"

داتن کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔ "اس نے واقعی تمہیں یہ کہا۔"

"ہاں۔ وہ تو پہلی ہی ملاقات میں مجھ سے متاثر لگتا تھا۔" وہ ڈھٹائی سے کندھے اکڑا کے بولی۔ داتن نے ستائش سے ابرو اچکائے۔

"خیر اب بتاؤ اس کے گھر چوری کیسے کرنی ہے۔ کیا پلان ہے؟"

"حالم کے پاس ہمیشہ پلانز ہوتے ہیں۔ پلان نہیں، پلانز۔" وہ زور دے کر بولی۔ "پلان اے، بی اور سی۔ اگر اے فیل ہو جائے تو سی پہ آ جائیں گے، وہ کام نہ کرے تو ڈی سوچ لوں گی۔"

"اور بے چارہ بی کیوں نہیں؟"

"تالیہ کے پلانز ہیں، تالیہ کی مرضی۔" وہ کندھے اچکا کے بے نیازی سے بولی اور پھر سے سر صوفے کی پشت سے ٹکا کے خلا میں دیکھنے لگی۔ "وہ پچاس کا ہونے والا ہے مگر کتنا ینگ لگتا ہے۔ جب وہ مسکراتا ہے تو اس کا ڈمپل پڑتا ہے۔ تم نے کبھی نوٹ کیا؟"

"تم اٹھائیس سال کی ہو، وہ اڑتالیس کا۔ تمہیں اس کے بارے میں نہیں سوچنا چاہیے۔" داتن اسی سنجیدگی سے بولی۔ "اگر کسی کو اس کے بارے میں سوچنا چاہیے تو وہ میں ہوں۔"

تالیہ کو جیسے کرنٹ لگا۔ بلبلا کے اس نے گردن موڑی اور موٹی، کالی عورت کو سر سے پیر تک یکھا۔

"تم؟ تم داتن؟" وہ حیرت اور صدمے سے غرا بھی نہ سکی۔

"ہاں.... آخر وہ میری عمر کے قریب قریب ہے۔" داتن اب کے سادگی سے مسکرائی۔ تالیہ نے غصے سے ہونٹ بھینچ لیے۔

"اور وہ تمہیں کیوں پسند کرے گا؟"

"کیونکہ عشق اندھا ہوتا ہے۔"

"اندھا ضرور ہوتا ہے مگر کلر بلائنڈ نہیں۔" وہ جل کے بولی تو داتن نے ساتھ رکھا کشن اٹھایا اور کھینچ کے اسے دے مارا۔ اس نے دونوں بازو آگے کر لیے تو وہ ان سے ٹکرا کے نیچے گر گیا۔

"خیر!!" داتن نے خفگی سے چائے کا گھونٹ بھرا اور شانے اچکائے۔ "ماڈرن سائنس نے گورا ہونے کے انجکشن بنا لیے ہیں۔"

"پتلے ہونے کے پھر بھی نہیں بنائے۔" وہ اب کے مسکراہٹ دبا کے بولی۔ داتن نے ہاتھ جھلا کے جیسے اس کی بات ہوا میں اڑائی۔

"زیادہ خواب مت دیکھو اس کے۔ وہ تمہارے باپ کی عمر کا ہے۔ ارے ہاں۔" وہ ٹھہری۔ آنکھیں چمکیں۔ "اس کی بیٹی آریانہ بھی تو کھوئی تھی نا۔ یا مر گئی تھی۔ مگر لاش نہیں ملی تھی۔ ہم نے سکہ چرانے اس کے گھر داخل ہی ہونا ہے نا، کیوں نا تم آریانہ بن کے چلی جاؤ۔"

تالیہ نے افسوس سے اسے دیکھتے گردن دائیں بائیں ہلائی۔ "آریانہ چھبیس سال پہلے کھوئی تھی جب وہ سات سال کی تھی۔ اب اگر وہ زندہ بھی ہو تو تیرہ سال کی بچی ہو گی۔ اور میں اٹھائیس کی ہوں۔"

"تم آریانہ کی کوئی دوست یا ٹیچر بن کے بھی جا سکتی ہو نا۔"

"اپنی ویلی تپلی عقل پہ اتنا زور نہ دو اور پلاننگ کا کام مجھ پہ چھوڑ دو۔ اور اگر اپنی چابی چرانے کے لیے مجھے فاتح رامزل سے ملنا ہی پڑا تو میں اس کی بیٹی بن کے نہیں جانے والی۔" پھر اس نے مسکرا کے چھت کو دیکھا اور جیسے خواب بنے۔ "میں تو ایسی سچویشن بناؤں گی جس

میں اس کو مجھ سے پہلی نظر کی محبت ہو جائے۔"

"ام بھی تو تم کہہ رہی تھیں کہ تم اس سے ملی تھیں اور اس نے تمہاری تعریف بھی کی تھی۔"

"جیسے تمہیں تو معلوم ہی نہیں کہ میں جھوٹ بول رہی تھی۔" وہ اسی ڈھٹائی سے ترنت بولی پھر صوفے سے اتری اور پیروں میں سلیپرز گھسیڑے۔

"میں کے ایل کی سب سے ماہر اسکام آرٹسٹ اس لئے ہوں مسز لیانہ دانش صابری کیونکہ جب میں اپنا کردار لکھتی ہوں تو دنیا مجھے اتنا اور ویسا ہی دیکھتی ہے جتنا اور جیسا میں ان کو دکھانا چاہتی ہوں۔ میں نے اب تک بہت سے رول کیے ہیں' مگر یہ دل سب سے دلچسپ ہو گا۔ فاتح اور میرے راستے کہیں نہ کہیں جا کر ملتے ہی ہیں۔ ہماری قسمت ایک دوسرے کے ساتھ جڑی ہے۔ اور میرے خواب کے مطابق ....ہم تینوں کے سروں پہ ہما پرندہ تھا اور پھر ہم تینوں کی گردن میں پھندے تھے۔ اچھا یا برا' اس اسکام کا انجام بہت دلچسپ ہو گا' موٹی مرغی۔" وہ عزم سے کہتی مسکرا کے آگے بڑھنے لگی تو داتن نے کپ نیچے کیا اور چونک کے اسے پکارا۔

"تینوں؟ تیسرا کون؟"

اس سوال پہ وہ بھی ٹھٹکی جیسے حیرت سے سوچا ہو۔

"ارے ہاں... اس دفعہ جب وہ منظر ذرا آگے چلا تو اس میں ایک تیسرا شخص بھی تھا۔"

"کون؟ کون؟" موٹی جوش سے آگے ہوئی۔ تالیہ نے انگلی ٹھوڑی پہ رکھ کے آنکھیں اوپر کیے ذرا سا سوچا۔

"میں نے اسے کہیں دیکھ رکھا ہے۔ تالیہ کو کبھی کچھ نہیں بھولتا۔ مگر...." اس نے آنکھیں بند کیں۔ "وہ نوجوان کون تھا؟ اونہوں۔ یاد نہیں آ رہا۔" یاد کرنے میں ناکام ہوئی تو سر جھٹک کے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔

"گڈ نائٹ' داتن پدوکا... صبح ملتے ہیں۔ کوشش کرنا کہ میری نیند کے دوران میں تم میرے فریج کی ایسی ہی حفاظت کرو جیسے میرے رازوں کی کرتی ہو۔"

"ہونہہ۔ فکر ہی نہ کرو۔" وہ چبھتی نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے اونچا سا بولی تھی۔ تالیہ سیڑھیاں چڑھتی گئی تو اس نے جلدی سے کپ رکھا' اور موبائل نکال کے اسکرین روشن کی۔ پھر گردن اٹھا کے احتیاط سے دیکھا۔ تالیہ اب باہر نہیں آنے والی تھی۔ داتن مسکرائی اور جلدی سے گوگل ٹیب میں ٹائپ کرنے لگی۔

"پتلا ہونے کے لئے سرجری" اور فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ گو بٹن دبا دیا۔

☆☆=========☆☆

چند گھنٹے پیچھے واپس چلتے ہیں.....

تنکو کامل کے ڈرائنگ روم سے مہمان نکل کے راہداری میں آئے کھڑے تھے جہاں کم عمر علی بن کامل نے فاتح رامزل کو شیشے کی ڈبیا میں

سجا سکہ پیش کیا تھا۔

"ویسے یہ اوریجنل نہیں ہے۔ اوریجنل میں ایک طرف نصیر من الدنیا والدین لکھا ہوتا ہے۔ مگر آئی لائیک اِٹ۔" سچائی سے تبصرہ کیا تو میزبان ایک دم شرمندہ ہو گئے مگر وہ آدمی اتنا بے پرواہ اتنا بے نیاز تھا کہ اسے ان کے تاثرات سے فرق نہیں پڑتا تھا۔ (اور اس کی بات کو کوئی برا نہیں مانتا تھا۔ نہ مان سکتا تھا۔ وہ ملے قوم کو بہت محبوب تھا۔) ایک ہی مختصرے میں اس نے ایمانداری سے پسندیدگی کا اظہار بھی کر دیا۔ پھر ذرا ٹھہرا۔ "عصرہ یہ تمہارے بریسلیٹ کی طرح نہیں لگتا جو تمہیں ایش نے دیا تھا؟ ہے نا۔" مسکرا کے کہتے ہوئے اس نے باکس پیچھے کھڑے سائے باڈی مین کی طرف بڑھا دیا۔

وہ آگے بڑھ گیا اور باڈی مین سکہ جیب میں ڈالتا آگے بڑھنے کو تھا کہ ٹھہرا۔ یونہی گردن موڑی۔ نظر دور پیچھے کچن کی چوکھٹ پہ کھڑی ملازمہ پہ پڑی۔ یہاں واضح روشنی تھی۔ تیز سفید لائٹس۔ اندر تو زرد فینسی لائٹس تھیں اس لئے آتے جاتے ملازموں کی شکلوں پہ وہ غور نہیں کر سکا تھا مگر یہاں وہ سفید روشنیوں میں نہائی کھڑی شل سی سوگواری اس سکے کو دیکھ رہی تھی جسے باڈی مین جیب میں ڈال رہا تھا۔ اس نے ایک نظر اس کی آنکھوں کو دیکھا اور پھر مڑ گیا۔

باہر آیا تو گاڑیوں کے دروازے بند ہو رہے تھے۔ دعا سلامت الوداعی کلمات۔ وہ اپنے نئے کوٹ اور ٹائی کو لاشعوری طور پہ درست کرتا اس سیاہ کار تک آیا جس کی پچھلی نشست پہ فاتح رامزل اور اس کی بیوی بیٹھ چکے تھے۔ ڈرائیور نے اسٹیئرنگ سنبھالا اور باڈی مین فرنٹ سیٹ پہ مستعد سا بیٹھ گیا۔ کار چل پڑی۔ اس نے بیک ویو مرر پہ نگاہ دوڑائی۔ پیچھے بیٹھا فاتح رامزل جیب سے عینک نکال کر آنکھوں پہ ٹکا رہا تھا۔ پھر اس نے اسی جیب سے سیل فون نکالا اور اسکرین روشن کر کے دیکھنے لگا۔ باڈی مین نے ہاتھ بڑھا کے شیشہ ذرا سا ترچھا کیا تا کہ دونوں میاں بیوی دکھائی دیں۔ ڈرائیور نے ایک نظر اس پہ ڈالی مگر ٹوکا نہیں اور ڈرائیونگ کرتا رہا۔ اب شیشے میں وہ دونوں نظر آ رہے تھے۔ عصرہ گردن موڑے کھڑکی کے باہر بھاگتے درختوں کو دیکھ رہی تھی۔ دونوں ہاتھ گھٹنے پہ اوپر نیچے رکھے ہوئے تھے اور ایک کلائی میں طلائی بریسلیٹ دکھائی دے رہا تھا۔

"تمہیں ان کے اینٹیک تحفے کے بارے میں ایسے نہیں کہنا چاہیے تھا فاتح۔ علی کو برا لگا ہوگا۔"

"علی کون؟" وہ اسکرین انگلی سے نیچے کرتے مصروف سا بولا تھا۔

عصرہ نے چہرہ موڑ کے مذمتی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ "شیلا کا بیٹا۔"

"اچھا۔ اس کا نام علی ہے۔" اس نے سر کو خم دیا اور سیل فون پہ ای میلز نیچے کرتا گیا۔ باڈی مین بار بار آئینے پہ نظر ڈالتا پھر ونڈ اسکرین کے پار دیکھنے لگتا۔ وہ ملک کا سب سے محبوب کپل تھا۔ ان کو بار بار دیکھ کے بھی دل نہیں بھرتا تھا۔

"تم نے استعفیٰ والی بات کا جواب نہیں دیا۔ ہم یہ فیصلہ کر چکے تھے کہ تم ریزائن دو گے اور ہم امریکہ واپس چلے جائیں گے۔"

فاتح نے جواب نہیں دیا۔ وہ اسکرین کو انگلی سے دبا تا ٹائپ کر رہا تھا۔ عصرہ چند لمحے کے لئے خاموش ہوئی۔ سرخ بھورے بالوں والی

وہ خوبصورت عورت تھی۔ دبلی پتلی اسمارٹ سی۔ ماتھے پہ کٹے بال گرتے تھے اور باقی بالوں کو آدھا باندھ رکھا تھا۔ گردن میں موتیوں کا نیکلیس تھا اور بھوری آنکھوں میں تلخی سی تھی۔

"تمہاری انہی باتوں کی وجہ سے بہت سی لابیز ہمیں چھوڑ چکی ہیں۔ اپنے کریز ما اور فین فالوونگ سے باہر نکل کے دیکھو تو تمہارا کوئی سیاسی مستقبل نہیں ہے۔ پارٹی نیشنل کا چیئرمین منتخب ہونے کے لئے ہمیں فنڈز چاہئیں، جو ہمارے پاس نہیں ہیں۔ پہلے پارٹی الیکشن پھر جنرل الیکشن.... ہم کچھ بھی افورڈ نہیں کر سکتے۔ میرا بزنس پہلے ہی اشعر (بھائی) کے قرضوں تلے دبا ہے۔ میں مزید قرضے نہیں لے سکتی۔ تم نے آج تک سیاست سے کچھ نہیں بنایا، اور میں اس کی قدر کرتی ہوں مگر اب میں مزید تمہیں ایک کھوکھلے خواب کے پیچھے پیسہ اور محنت لٹاتے نہیں دیکھ سکتی۔" وہ اب کے نرمی سے کہہ رہی تھی۔ وہ جواب دیے بنا موبائل کی طرف متوجہ رہا۔

"ہمارے ساتھ کوئی لابی، کوئی سیاسی اتحاد نہیں ہے۔ اگر کوئی پارٹی کا صدر بننے کے لئے الیکشن میں کھڑا ہو سکتا ہے تو وہ تم نہیں ہو فاتح۔ تمہارے ٹویٹر فالورز کے علاوہ ہمارے ساتھ کوئی نہیں کھڑا۔ وہ اشعر ہے۔ ایش۔ ایش نوجوان ہے۔..."ملے زیا" (ملائیشیا) کا جسٹن ٹروڈو۔ اس کے پاس پیسہ ہے، اس کے ساتھ سیاسی حلیف کھڑے ہیں۔ وہ ممبر پارلیمنٹ ہے اور محنت کر کے اس مقام پہ آیا ہے۔ میں اس لئے نہیں کہہ رہی کہ وہ میرا بھائی ہے بلکہ وہ نوجوان نسل کا نیا لیڈر ہے، اس کی کیمپین میں زیادہ چارم ہے، تم ایک زمانے میں بہت پاپولر تھے اور خدا کا شکر ہے کہ اب بھی ہو مگر تمہارے غیر سیاسی فیصلوں نے تمہارا چارم کم کر دیا ہے۔ تمہارے ووٹ کم ہو گئے ہیں۔ بہتر ہے کہ ہم عزت سے اس مونوپلی سے نکل آئیں اور اپنا بڑھاپا امریکہ میں آرام سے گزاریں۔ تمہیں میں نے کہا تھا کہ اگلے ماہ جب ایش باقاعدہ پارٹی چیئرمین کے انتخاب کا اعلان کرے گا تو تم اس کو endorse کرو گے اور اس کے حق میں دستبردار ہو جاؤ گے۔ تمہارا ووٹ بینک ایش کے حق میں چلا جائے گا اور یوں یہ ایک بہترین ہیپی اینڈنگ ہو گی۔ ایش ملے زیا کا اگلا وزیر اعظم ہے، تم اس نوشتہ دیوار کو جتنی جلدی ہو سکے پڑھ لو فاتح۔ اور اس طرح خاموش نہ رہو جیسے میں یہ اپنی گیلری کے لیے کر رہی ہوں۔ میں یہ ہم دونوں اور ہمارے بچوں کے لئے کر رہی ہوں۔"

فاتح نے سیل فون اسکرین بجھائی اور عینک اتار کے فولڈ کی، پھر دونوں چیزوں کو کوٹ کی اندرونی جیب میں ڈالا، چہرے پہ مسکراہٹ سجائے کھڑکی سے باہر آنکھیں جمائے کہنے لگا۔

"ملے زیا (ملائیشیا) کے دوسرے بچوں کی طرح مجھے بھی بچپن میں سب سے زیادہ ملے ادب کی جو کہانیاں پسند تھیں وہ "ننھے غزال" کی تھیں۔ ننھا چالاک ہرن۔ ماؤس ڈیئر (یہ ایک دم کٹا چوہے کی شکل والا ہرن ہوتا ہے جو قریباً کتے جتنا ہوتا ہے۔) وہ چھوٹا سا تھا مگر جانوروں میں اس جیسا con artist دوسرا کوئی نہ ہو گا۔ بہت عیار تھا وہ۔ ننھا کن چیل۔ (ہرن) کن چیل اسٹوریز کی ابتدائی داستانوں میں وہ ایک دھوکے باز چور اور چرب زبان ہرن تھا۔ بعد میں وہ اچھا ہوتا گیا تھا مگر شروع کی داستانوں میں مجھے وہ کہانی بہت پسند ہے جب اس کو دریا پار کرنا تھا اور سامنے ایک مگرمچھ بیٹھا تھا۔ تو ننھے ہرن نے مگرمچھ سے کہا کہ بادشاہ نے مگرمچھوں کی دعوت کی ہے اور اس کو یہ ذمہ

داری سونپی ہے کہ وہ مگرمچھوں کی تعداد گن کے بتائے تا کہ اسی حساب سے کھانا پکوایا جائے اس لیے سب مگرمچھ لائن میں کھڑے ہو جائیں۔" وہ کھڑکی سے باہر روشن عمارتوں کو بھاگتے دیکھ کر محظوظ سا بتا رہا تھا۔ سب سانس روکے اس کو سن رہے تھے۔ ایڈم کے کان پوری طرح کھڑے تھے۔ "پھر کیا تھا... مگرمچھوں نے پل کی صورت قطار بنالی۔ وہ ایک دو تین کر کے گنتا ہوا ایک مگرمچھ سے دوسرے پہ چھلانگ لگاتا اور یوں دریا پار کر گیا۔ مگرمچھ آج بھی بادشاہ کی دعوت کا انتظار کر رہے ہیں۔ سارے دم کٹے ہرنوں کا مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ ان کو لوگوں کو manipulate کرنے کی اتنی عادت پڑ جاتی ہے کہ یہ مینیپولیشن ان کی زندگی کا حصہ بن جاتی ہے۔ وہ ہاتھ پیر کٹ جانے سے مفلوج نہیں ہوتے' دوسروں کی زندگیوں کا اسٹیئرنگ وہیل چھن جانے پہ مفلوج ہو جاتے ہیں۔ ایسے غزالوں کو اس وقت سے ڈرنا چاہیے جب دعوت کا انتظار کرتے مگرمچھ دریا سے نکل آئیں اور اس کو تلاش کر لیں کیونکہ مگرمچھ خشکی پہ بھی اتنا ہی خطرناک ہوتا ہے جتنا دریا میں۔"

کہہ کے اس نے جیب سے موبائل دوبارہ نکالا اور اسکرین روشن کر کے عینک ناک پہ جمائی۔ عصرہ گہری سانس لے کر چہرہ موڑ گئی اور باڈی مین نے نگاہیں جھکا لیں۔ (کیا فاتح صاحب نے اپنے سالے کو "سنک کچل" the mouse deer بولا ہے؟ عیار اور چالباز؟ وہ بھی اپنے ملازموں کے سامنے؟ یا اللہ.... یہ امیر لوگ ملازموں کی موجودگی میں ایسے کیسے باتیں کر لیتے ہیں؟ ہمارے محلے میں تو یوں نہیں ہوتا۔) وہ دل ہی دل میں سوچ رہا تھا۔

کار سگنل پہ رکی تو ایڈم نے دیکھا ایک طرف سے چند بچے بینرز اٹھائے چلے آ رہے ہیں۔ شاید کوئی واک وغیرہ تھی جس کا اختتام ہو چکا تھا۔ وہ معمول کے انداز میں قریب سے گزر رہے تھے مگر جیسے ہی ایک نے شیشے کے پار بیٹھے شخص کے جھکے چہرے کو دیکھا جس کو موبائل کی روشنی نے منور کر رکھا تھا... اس کی آنکھیں حیرت سے چمکیں۔ وہ فوراً پلٹا اور اپنے گروہ کو خوشی اور جوش سے چیخ کے پکارا۔ (فاتح رامزل کی کار! جلدی آؤ!)

سگنل ابھی سرخ تھا۔ بچے اکٹھے ہونے لگے۔ ہنسی مسکراہٹوں کے ساتھ ایک دوسرے کو ٹھوکے دیتے ہوئے۔ ایک نے ڈرائیور کی کھڑکی کے قریب آ کر اپنا موبائل دکھا کے کچھ کہا تو باڈی مین نے گردن موڑی۔

"سر' بچے شاید تصویر بنوانا یا ہاتھ ملانا چاہتے ہیں۔"

"ڈونٹ بی اوور اٹینشنٹ ایڈم۔ یہ بچے ہیں' ووٹرز نہیں۔" عصرہ تلخی سے بولی۔ باڈی مین نے خفت سے سر ہلایا اور بچوں کو دور ہٹنے کا اشارہ کیا۔ ننھے چہروں کی جوت بجھ گئی اور وہ پیچھے ہٹے۔ سگنل ہرا ہو گیا اور کار آگے چل پڑی۔

اسی پل فاتح نے موبائل سے نظریں اٹھائیں اور فرنٹ سیٹ پہ بیٹھے باڈی مین کو دیکھا۔ "اور تم کون ہو؟" وہ بچوں کو نظر انداز کر گیا تھا۔

اس نے جلدی سے گردن موڑی اور تابعداری سے کہنے لگا۔ "سر' میں ایڈم بن محمد ہوں۔ آپ کا باڈی مین اور...."

"عبداللہ گیارہ دن کی چھٹی پہ گیا ہے تو اس نے اپنے محلے کے لڑکے کو کام کے لئے بھیج دیا۔ مجھے اس کی شکل پہ ترس آ گیا اس لئے اسے رکھ لیا۔ ایڈم نام ہے اس کا۔" عصرہ بیزاری سے بتانے لگی۔ "آتے وقت یہ دوسری کار میں تھا۔ میں نے کہا اب آیا ہی ہے تو کام تو پورا

کرے۔" (ملائیشیاء میں آدم نام کو ایڈم رکھا اور بلایا جاتا ہے اور یہ مسلمانوں میں عام ہے۔)

سگنل کھل گیا اور ڈرائیور نے کار آگے بڑھا دی۔ فاتح نے پھر سے موبائل دیکھتے ہوئے بھاری رعب دار آواز میں پوچھا۔ "کیا کرتے ہو ایڈم؟" ایڈم کا چہرہ اتنی توجہ پہ تمتمانے لگا۔

"سر میں فوج میں تھا' مگر صحت کے واجبی سے مسئلے پہ وہاں سے فارغ ہو گیا۔ پھر دو تین جگہ اپلائی کیا مگر نوکری نہیں ملی۔ والد صاحب ایک دکان پہ سیلز مین ہیں' ان کے ساتھ بھی کام کیا۔ ایک سیکیورٹی فرم سے پرائیوٹ باڈی گارڈ کی تربیت بھی لی۔ اب عبداللہ کی جگہ گیارہ دن کے لئے آیا ہوں۔"

"اور تم کیا باڈی گارڈز والا لباس پہن کر آ گئے ہو' معصرہ نے پیچھے سے برہمی سے ٹوکا۔ "تم فاتح صاحب کے باڈی گارڈ نہیں' باڈی مین ہو' اور ان دونوں میں بہت فرق ہوتا ہے۔ آئندہ نہ دیکھوں میں یہ سوٹ اور ٹائی۔ اور یہ پستول... اس کا لائسنس ہے؟" ڈیش بورڈ کی طرف اشارہ کیا۔

"جی میم۔ مجھے لگا مجھے باڈی گارڈ بننا ہے۔" وہ شرمندہ ہو گیا۔

"خیر ٹھیک ہے' گن ساتھ لے کر گھوم سکتے ہو' مگر حلیہ درست کر کے آنا کل۔" وہ نخوت سے کہتی بات ختم کر کے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ وان فاتح نے موبائل واپس جیب میں ڈالا اور عینک اتارتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔

"ووٹ کس کو ڈالا تھا تم نے ایڈم؟"

ایڈم نے گردن موڑ کے اس کو دیکھا اور لمحے بھر کو چپ رہ گیا۔ پھیکے نقوش اور صاف رنگت کا وہ ایک عام سا ملے نوجوان تھا اور سوٹ ٹائی اس پہ بہت نئے اور اوپرے لگ رہے تھے جیسے مانگ کے پہنے ہوں۔

"کسی کو نہیں' سر۔ مجھے سیاست سے دلچسپی نہیں ہے۔"

فاتح نے بے اختیار دونوں ابرو اٹھائے اور تعجب سے اسے دیکھا۔ "تمہیں معلوم ہے ایڈم کسی ملک کے لئے سب سے خطرناک آدمی کون ہوتا ہے؟"

"کرپٹ حکمران؟" اس نے گڑبڑا کے کہا۔

"ہاں مگر اس سے بھی زیادہ 'سیاسی جاہل' خطرناک ہوتا ہے۔" وہ اس پہ نظریں جمائے بھاری آواز میں افسوس سے کہہ رہا تھا۔ "وہ سیاسی جاہل جو سینہ تان کے کہتا ہے کہ اسے سیاست سے دلچسپی نہیں' بلکہ اسے تو سیاست سے نفرت ہے۔ ایسا آدمی نہ کچھ دیکھتا ہے' نہ سنتا ہے' نہ کرتا ہے۔ اس کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ سیاست Policies بنانے کا نام ہے اور آٹے دال' چاول' دواؤں اور موبائل کریڈٹ کی قیمت سے لے کر ہر چیز کا تعین سیاست دان کرتے ہیں' اور اگر سیاسی جاہل اپنی رائے نہیں رکھے گا' سیاست میں ووٹ اور سپورٹ کے ذریعے حصہ نہیں لے گا تو وہ کرپٹ حکمرانوں کو مضبوط کرے گا اور سڑکوں پہ بے حال پھرتے لوگوں' چور ڈاکوؤں' غریبوں' سب کا ذمہ دار وہ ہوگا۔ مجھے

زیادہ خوشی ہوتی ایڈم اگر تم کہتے کہ تم نے میرے مخالف کو ووٹ ڈالا تھا کیونکہ تب مجھے لگتا کہ میں ایک سیاسی خواندہ سے بات کر رہا ہوں جس کی کوئی سوچ ہے' بھلے مجھ سے مختلف ہو' مگر کوئی نظریہ' کوئی رائے' کچھ تو ہے اس کے پاس۔ یہ انسان کی آزادرائے ہوتی ہے جو ہمیں ایک دوسرے سے مختلف کرتی ہے' ورنہ ہم میں اور بھیڑ بکریوں میں کیا فرق ہے؟" آخر میں کندھے اچکا کے وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگ گیا۔

ایڈم پہ تو گھڑوں پانی پڑ گیا۔ اس نے چہرہ بالکل جھکا دیا۔

دونوں میاں بیوی کو گھر اتار کے وہ کار سے نکلا اور چھٹی لے کر باہر آگیا۔ آدھے گھنٹے کی بس کی خواری کے بعد وہ اپنے گھر کے باہر کھڑا تھا۔ ایک منزلہ چھوٹا سا گھر جس کی چھت مخروطی تھی اور دیواریں لکڑی کی تھیں۔ کھڑکیاں اس پہر بھی روشن تھیں۔ ضرور اس کی ماں جاگ رہی تھی۔ وہ احتیاط سے دروازہ کھول کے اندر آیا' اور کوٹ اتار کے اسٹینڈ پہ ٹانگا۔ پھر پلٹا تو دیکھا' کچن کے دروازے پہ ویسے ہی چینی نقوش والی عورت کھڑی تھی۔

"ایڈم! تم آگئے۔ کھانا لاؤں؟" لکڑی کی راہداری میں سدا بہار پھولوں کی مہک پھیلی تھی۔ گھر میں جا بجا چھوٹے برتنوں' ٹین ڈبوں اور بوتلوں میں پودے اور بیلیں لگی تھیں۔

"بھوک نہیں ہے' ماں۔" وہ بددلی سے سر جھکائے کہتا آگے آیا۔ "بابا سے کہنا کہ یہ سوٹ دکان پہ واپس کر دیں۔ کل سے مجھے دوسری قسم کے سوٹ پہننے ہوں گے۔ ٹو پیس ٹائپ۔"

"مگر گارڈز تو ایسے ہی سوٹ بوٹڈ رہتے ہیں نا۔" ادھیڑ عمر عورت حیران سی ہوئی مگر وہ چہرہ لٹکائے کچن میں داخل ہوا اور کرسی کھینچ کے خاموشی سے بیٹھ گیا۔

"عبداللہ نے کہا تھا مجھے باڈی مین بننا ہے۔ میں سمجھا وہ باڈی گارڈ ہی ہوتا ہے۔"

"اس؟ باڈی مین کیا ہوتا ہے؟" ماں نے اچنبھے سے کہتے سامنے والی کرسی کھینچی۔ چھوٹا سا کچن نفاست سے صاف کیا گیا تھا اور کھڑکی پہ جالی دار پردے لہرا رہے تھے۔ وہاں بھی چھوٹے چھوٹے سے سرسبز پتوں والے گملے رکھے تھے۔ ایڈم نے بجھا ہوا چہرہ اٹھایا اور ماں کا چہرہ دیکھا۔ "باڈی مین پرسنل ایڈ کو کہتے ہیں' ماں۔"

"جیسے سیکرٹری؟ اسسٹنٹ؟"

"نہیں ماں۔ سیاستدانوں کے سیکرٹری بڑے لوگ ہوتے ہیں۔ پولیٹیکل سیکرٹری الگ' پرسنل سیکرٹری الگ۔ باڈی گارڈز بھی ماہر تربیت یافتہ کمانڈوز ہوتے ہیں۔ میں صرف باڈی مین ہوں۔ پرسنل ایڈ۔ جب انہیں پیاس لگے تو پانی پکڑانا ہے' جب وہ کھانا کھانے لگیں تو نیپکین سامنے کرنا ہے' جب وہ دستخط کرنے لگیں تو قلم کھول کے ان کے ہاتھ میں تھمانا ہے۔ ہر وقت مستعد اور تیار ان کے قریب رہنا ہے کہ کہیں ان کو کسی چیز کی ضرورت نہ پڑے۔"

''یعنی کہ نوکر؟'' وہ دھک سے رہ گئی۔

''نوکر بھی فلپینو ہوتے ہیں' ایجنسی سے کانٹریکٹ کر کے آتے ہیں' ماں۔ نوکر بہتر ہوتے ہیں۔ باڈی مین تو ایک نوباڈی ہوتا ہے' بس۔''

''چند دن کی ہی تو بات ہے۔ پھر ختم ہو جائے گی یہ نوکری۔''

''اس کے بعد میں کیا کروں گا؟ دو ماہ بعد میری شادی ہے۔ اور میرے پاس نوکری تک نہیں ہے۔''

''تم فاتح رامزل سے کہو کہ وہ تمہاری کہیں سفارش کرا دے۔''

''اوہ میری بھولی ماں.....'' ایڈم نہ چاہتے ہوئے بھی ہنس دیا۔ ''وہ فاتح رامزل ہے۔ وہ کسی کا کوئی کام نہیں کرتا۔ اس پہ ایک دنیا مرتی ہے۔ لوگ اس پہ پیسہ لٹاتے ہیں۔ اس کے اعزاز میں بڑی بڑی تقریبات کرتے ہیں اس کی پارٹی کو فنڈز دیتے ہیں مگر وہ نہ کسی سے کچھ مانگتا ہے' اور اگر کوئی کروڑوں بھی خرچ کر دے تو وہ تھینکس کہہ کر آگے بڑھ جاتا ہے۔ وہ کسی کا احسان ''رجسٹر'' نہیں کرتا۔ کہتا ہے میں کسی کو بدلہ نہیں دے سکتا' ہم سب بہتر ملے زیا (ملائیشیا) کے لئے کام کر رہے ہیں' گڈ۔ بس۔ آپ فاتح رامزل کے لئے جان بھی دے دیں تو وہ تھینکس کہہ کے چلا جائے گا۔ اس کے اتنے چاہنے والے ہیں' اس پہ لوگ اتنا کچھ لٹانے کو تیار ہوتے ہیں کہ اس کو ان چیزوں میں دلچسپی ہی نہیں۔ وہ ایک الگ طرح کا بندہ ہے۔ میں تو اس سے کیا سفارش کرواؤں گا' وہ تو میری طرف بلا ضرورت دیکھے گا بھی نہیں۔ وہ بہت' بہت اونچا آدمی ہے' ماں۔''

''ایڈم!'' اس کی ماں نے جھک کے اس کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھا اور اس کی بجھی آنکھوں میں دیکھ کے نرمی سے گویا ہوئی۔ ''اگر وہ اتنا ہی خود غرض آدمی ہوتا تو سارا ملک اس سے محبت کیوں کرتا؟''

ایڈم نے پلکیں اٹھائیں۔ ان میں ناسمجھی کی سی کیفیت تھی۔

''لوگ فاتح سے محبت اس لئے کرتے ہیں کیونکہ وہ ان کو بے نیاز لگتا ہے۔ وہ امریکہ میں ایک ایماندار اور محنتی پراسیکیوٹر رہا تھا' پھر اپنا کیرئیر چھوڑ کے وہ قوم کے لئے واپس آیا اور اس نے الیکشن لڑا۔ اپنے حلقے میں اس نے اسکولز بنائے' کالجز بنائے۔ اس نے لوگوں کے لئے کام کیا اور وہ دن بدن مشہور ہوتا گیا۔ ایسے میں اس کے گرد سارے مفاد پرستوں کا ٹولہ جمع ہو گیا جن کو امید ہے کہ اگر وہ اس پہ پیسہ خرچ کریں گے تو رامزل حکومت میں آ کر ان کو اونچے عہدوں سے نوازے گا مگر تم یہ دیکھو کہ وہ ان غریب بچوں کے لئے' جو اس کو کچھ نہیں دے سکتے' اسکولز تو بناتا جاتا ہے مگر امیر دوستوں کو تھینکس کہہ کے آگے بڑھ جاتا ہے۔ کیونکہ ہر وہ شخص جو فاتح رامزل کے قریب اس سے چپکا ہوا ہے وہ اپنے ذاتی مفاد کے لئے وہاں موجود ہے۔ جیسے شہد کے اوپر مکھیاں چمٹ جاتی ہیں۔ سب کو اپنا حصہ چاہیے۔ اسی لئے وہ ایسے لوگوں سے سرد رویہ رکھتا ہے تا کہ ہر ایک کو یہ واضح ہو جائے کہ وہ کسی کے لئے کچھ نہیں کرے گا۔''

ایڈم نے سمجھتے ہوئے سر ہلا دیا۔ بات اس کی سمجھ میں آ رہی تھی۔

''تم پہلے سے ہی جانتے ہو کہ وہ تمہارے لئے کچھ نہیں کرے گا تو ایڈم' تم اس سے امید نہ لگاؤ۔ کوئی درخواست کرو' نہ کسی مفاد کے لئے

اس کو اپنے کام سے متاثر کرنے کی کوشش کرو۔غریب کو بھی مفاد چاہیے امیر کو بھی مفاد چاہیے۔تم ان دونوں کی طرح نہ بنو۔"

"پھر میں کیا بنوں؟"

"باڈی مین!" وہ سادگی سے مسکرائی۔"تم اس کے باڈی مین بنے رہو یہ گیارہ دن۔بغیر کسی لالچ' کسی غرض اور کسی لمبی اسکیم کے۔تم اللہ سے ڈرتے رہو اور یہ سوچو کہ تم نے پوری سچائی' ایمانداری اور وفاداری سے اپنے مالک کی خدمت کرنی ہے۔اسے غریب دوست بھی مل جائیں گے' امیر دوست بھی' مگر سچائی' ایمانداری اور وفا آج کل ناپید ہوتی جا رہی ہے۔تم بس یہ گیارہ دن اس کے ہو کر رہو۔اس کے لئے جان مارنی پڑے' جان مارو۔جان لگانی پڑے تو لگا دو۔اس کی حفاظت کرو' اس کے کام آو۔اپنی استطاعت سے بڑھ کے اس کی خدمت کرو اور کسی بدلے کی امید نہ رکھو۔جو تمہارے نصیب میں ہے وہ تمہیں مل جائے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" ایڈم نے سر ہلایا اور پھیکا سا مسکرایا۔بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔"میں پوری سچائی' ایمانداری اور وفاداری سے اس کی خدمت کروں گا اور بے شک وہ مجھے اس کا بدلہ نہیں دے گا۔لیکن اب مجھے اس بات کی پرواہ نہیں ہو گی۔"

"ایڈم!" اس کی روشن آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ماں مسکرائی اور اس کے ہاتھ پہ دبا ؤ بڑھایا۔"صداقت' امانت اور وفا کا بدلہ ہمیشہ ملتا ہے۔تم دیکھنا' کسی کی بے غرض خدمت سے اللہ تمہیں وہ بخت لگائے گا کہ ساری دنیا دیکھے گی۔"

ایڈم ہلکا سا ہنس پڑا۔"میری بھولی ماں' گیارہ دن کی ہی تو بات ہے' ان گیارہ دنوں کی خدمت اسے یاد بھی نہیں رہنی۔" اور پھر گھڑی دیکھتا اٹھ کھڑا ہوا۔اسے اب سونے جانا تھا۔ماں بھی ساتھ ہی اٹھ گئی۔

اس وقت ایڈم بن محمد کو نہیں معلوم تھا کہ ان گیارہ دنوں کے اختتام پہ کون سی بلا اس کا انتظار کر رہی ہے۔اگر وہ جانتا ہوتا تو فاتح رامزل کی ملازمت تو در کنار' وہ اس شہر' اس ملک کو ہی چھوڑ کے کہیں دور بھاگ جاتا......

☆☆=========☆☆

اگلی صبح منہ اندھیرے جو بارش شروع ہوئی تو سورج نکلنے تک کے ایل بھیگتا ہی رہا۔کے ایل میں ہر دوسرے تیسرے روز بارش ہوا کرتی تھی۔اگر چار پانچ دن خشک گزر جائیں تو مسجدوں میں بارش کے لئے دعا کروائی جاتی تھی۔ملائیشیا ایک مسلمان ملک تھا۔یہاں 60% ملے قوم بستی تھی' جن کی رنگت گندمی اور نقوش پھینے سے تھے۔یہ مسلمان تھے۔30% چائینیز تھے ادھر جو خوب گورے اور اصلی چینی نقوش کے حامل تھے۔یہ بدھسٹ ہوتے تھے عموماً۔باقی دس فیصد تامل انڈین تھے۔یوں مختلف ادیان' اور ثقافتوں سے مزین یہ رنگا رنگ اور جادوئی سا ملک تھا۔

مسلم اکثریت کے باعث یہاں اسلام کا رنگ نمایاں نظر آتا تھا۔مسلم عورتیں قابلِ اعتراض لباس میں نہیں پھرتی تھیں۔اگر مغربی لباس زیب تن کرتیں تو بھی پورا کرتیں ورنہ عموماً ملے طرز کا لباس پہنتیں جو کھلی سی اسکرٹ اور گھٹنوں تک آتی قمیض پہ مشتمل ہوتا تھا۔خواتین کی ایک بڑی تعداد تنگ حجاب اوڑھتی تھی اور وہاں مڈل کلاس میں سر ڈھکنا پسند کیا جاتا تھا۔

یہ خاموش طبع اپنے کام سے کام رکھنے والا ملک ہے۔ یہاں آج سے چھ سو سال پہلے اسلام آیا تھا۔ تلوار یا جنگوں کے زور پہ نہیں۔ مسلم تاجر آئے اور یہاں بس گئے۔ اسلام کا پیغام لائے اور ان کو چلتا پھرتا قرآن بنے دیکھ کے مالے قوم اپنے آپ اسلام لے آئی۔ راجہ مسلمان ہو گیا اور یوں ملاکہ سلطنت کے بادشاہ کو سلطان کہا جانے لگا۔ دیکھتے دیکھتے امن امان سے لوگوں کی اکثریت مسلمان ہو گئی۔ جب 1957 میں ملائیشیا نے انگریز سامراج سے آزادی حاصل کی تب بھی کوئی جنگ وجدل نہیں ہوا۔ بات چیت سے معاہدے ہوئے اور ملائیشیا الگ ہو گیا۔

ملائیشیا میں بھی پارلیمنٹ اور وزیراعظم ویسے ہی کام کرتے ہیں جیسے پاکستان میں، مگر ان کا ایک بادشاہ بھی ہوتا ہے جو کے ایل کے ایک محل میں رہتا ہے۔ ہر پانچ سال بعد نیا بادشاہ آتا ہے اور اس کی یہاں وہی حیثیت ہے جو پاکستان میں صدر کی۔ کوئی خاص کام کاج نہیں کرتا بس ایک اعزازی کرسی ہے جس سے وہ لطف اندوز ہوتا ہے۔

ملائیشیا ہر ریاست کا اپنا (منتری بیسار) ہوتا ہے جیسے پاکستان میں صوبے ہیں اور ان کے وزرائے اعلیٰ۔ ملائیشیا میں سارے وزیروں، وزرائے اعلیٰ اور بادشاہ سے بھی زیادہ طاقتور ایک شخص ہوتا ہے.....وہ آدمی جس کو پارلیمنٹ منتخب کر کے وزیرِاعظم یا پردان منتری بناتی ہے۔ عموماً یہ ہوتا ہے کہ جس سیاسی جماعت کو زیادہ ووٹ ملتے ہیں، ان کے چیئرمین کو وزیرِاعظم بنایا جاتا ہے۔ اس لئے اگر کسی کو ملائیشیا کا وزیرِ اعظم بننا ہے، تو پہلے اس کو اپنی سیاسی جماعت کے ہر پانچ سال میں ایک دفعہ ہونے والے انٹرا پارٹی الیکشن میں چیئرمین کی کرسی کے لئے انتخاب لڑنا پڑے گا۔ اگر وہ چیئرمین منتخب ہو جائے، اور پارٹی پارلیمنٹ میں اکثریت حاصل کر لے، تو پارٹی چیئرمین ہی وزیرِاعظم بنے گا۔ وہاں پارٹی چیئرمین ہر پانچ سال بعد منتخب ہوتے ہیں، اولاد کو وراثت میں پارٹی نہیں دی جاتی۔

نوے کی دہائی تک ملائیشیا کچرے کا ڈھیر ہوتا تھا۔ بھوکا، کمزور اور لٹا پٹا ملک جس کو کرپشن کا کینسر کھائے جا رہا تھا۔ پھر ان کو ڈاکٹر مہاتیر بن محمد جیسا لیڈر ملا جس نے یہ ثابت کیا کہ اگر کسی پارٹی کا صرف چیئرمین بھی ایماندار اور بہادر ہو، اور نیچے بھلے پوری پارٹی بے ایمان ہو تو بھی وہ ایک شخص سارا ملک بدل سکتا ہے۔ اس ایک آدمی نے ملائیشیا کے ادارے مضبوط کیے، عدل وانصاف کا نظام لایا اور ملک کو کرپشن سے پاک کیا۔ نتیجتاً ملک خوشحال ہونے لگا۔ سیاح آنے لگے۔ ملائیشیا کی خوبصورتی کے چرچے ہونے لگے اور ملک دولت اور ترقی سے مالا مال ہوتا گیا۔ لوگ حکومت سے اتنے خوش تھے کہ بار بار اسی پارٹی کو منتخب کرتے گئے۔ باریسن نیشنل خود کوئی پارٹی نہیں تھی بلکہ بہت سی پارٹیوں کا اتحاد تھی۔ جہاں اس پارٹی نے ملک کو اچھے سے چلایا وہیں بے پناہ سیٹیں ملنے کے باعث اس کی اپوزیشن ختم ہو گئی۔ ضرورت سے زیادہ طاقت ہمیشہ انسان کو خراب کر دیتی ہے۔ یوں گزشتہ انتخابات میں پہلی دفعہ باریسن نیشنل (قومی فرنٹ) الیکشن ہار کے اپوزیشن میں آ گئی اور جس وقت کی کہانی ہم بیان کر رہے ہیں، اس وقت یہ مقبول جماعت اپوزیشن میں بیٹھی ہے۔ لیکن لوگ موجودہ حکومت سے بھی ناخوش نظر آتے ہیں، کیونکہ عوامی رائے سے زیادہ جلدی بدلنے والی شے کوئی نہیں ہوتی، اس لئے نوشتہ دیوار یہ کہتا ہے کہ باریسن نیشنل اپنی خامیوں پہ قابو پا کر اگلے سال کا انتخاب جیت کر اقتدار میں آئے گی اور لازماً اس کا چیئرمین ہی اگلا وزیرِاعظم بنے گا۔

ملائیشیا کا میڈیا پاکستان سے بالکل مختلف ہے۔ جہاں پاکستان کا میڈیا پہلے آزاد اور پھر آوارہ ہوتا گیا' ملائیشیا کا میڈیا سرکاری دباؤ تلے ہی رہا۔ وہاں کے تمام چینل "پی ٹی وی" ہیں جن کا کام حکومت کے عیوب کو چھپانا اور اپوزیشن کو بالکل ہی چھپا دینا ہوتا ہے۔ اپوزیشن لیڈرز کے انٹرویوز' جلسوں اور ریلی وغیرہ کو میڈیا کوریج نہیں دیتا۔ یوں کسی بھی حکومت کی جب تک غلطیوں کی نشاندہی نہ کی جائے' وہ بگڑتی چلی جاتی ہے اور اس وقت ملائیشیا میں بھی یہی حال تھا۔

اب ہم واپس کے ایل کی اونچی عمارتوں تک آتے ہیں جو بارش میں کھڑی بھیگ رہی تھیں۔ سرسبز پہاڑیاں' نیلا سمندر اور اونچی سرمئی عمارتیں.... یہ ہر روز کا کے ایل تھا۔ جیسے کسی بھیگی جنت کا ٹکڑا ہو۔

دیسا پارک سٹی کے ایل کا وہ علاقہ تھا جو امیر اور اثر ورسوخ رکھنے والے خاندان کا مسکن تھا۔ اس کے گرد چار دیواری بنی تھی جو اس کو باقی کے ایل سے منقطع کر کے خاص الخاص بناتی تھی۔ وہاں ایک کالونی میں بڑے سے لان اور پول سے گھرا ایک تین منزلہ محل نما گھر تھا جس کے ڈائننگ ہال میں ناشتے کی میز بجی تھی اور اشتہا انگیز خوشبوئیں سارے کو مہکا رہی تھیں۔

میز پہ چھوٹے چھوٹے برتنوں میں رنگ برنگی اشیاء چنی گئی تھیں۔ کری پفز' ناسی لیما' ڈاگنگ ریندنگ' تربوز کا جوس' اور تہہ تاریک (چائے) مگر سربراہی کرسی پہ بیٹھے فاتح رامزل نے ان پرتکلف اشیاء کو ہاتھ لگانے کی بجائے صرف سوپ کے پیالے پہ اکتفا کیا تھا' جسے پیتے ہوئے وہ ناک پہ عینک جمائے اخبار کھولے مطالعے میں منہمک تھا۔ سوپ میں ابلی مرغی کا ٹکڑا منہ میں آجاتا تو وہ نظریں الفاظ پہ رکھے' بند ہونٹوں سے خاموشی سے چباتا اور اگلا چمچ بھر لیتا۔ دائیں ہاتھ کرسی پہ عصرہ بیٹھی تھی۔ بھورے سرخ بال ماتھے پہ کٹے ہوئے گر رہے تھے اور باقی پیچھے جوڑے میں بندھے تھے۔ کاجل لگی بڑی بڑی آنکھیں اٹھا کے وہ گاہے بگاہے فاتح کا چہرہ دیکھتی' پھر کری پف کترنے لگتی۔ پیچھے ایڈم مستعد سا کھڑا تھا۔ ڈریس شرٹ اور پینٹ پہنے' وہ کل کی نسبت زیادہ پراعتماد اور آرام دہ لگ رہا تھا۔ اخبار اسی نے لا کر دیا تھا اور اب وہ منتظر تھا کہ ادھر فاتح نہانے کے لئے جائے' ادھر وہ اس کا فون چارج پہ لگائے۔ بس یہی کام تھے ایک باڈی مین کے۔

"السلام علیکم!" ایک خوشگوار مسکراتی ہوئی آواز آئی تو دونوں میاں بیوی نے نظریں اٹھائیں۔ داخلی دروازے سے ایک سمارٹ سا آدمی چلا آرہا تھا۔ پینتیس چالیس کے درمیان ہوگا' کافی خوش شکل تھا اور عصرہ میں ملتا تھا۔ آنکھیں تو ہو بہو عصرہ والی تھیں۔ گرے سوٹ' ٹائی' کف لنکس پہنے اور گیلے بال سامنے سے سپائکس کی صورت کھڑے کیے' وہ خوشگوار اور تروتازہ سا لگ رہا تھا۔

"کاکا (آپی)... آبنگ (بھائی)!" اس نے مسکرا کے کہتے باری باری دونوں کو سلام کیا اور فاتح کے دوسری طرف کرسی کھینچ کے بیٹھا۔ فاتح ذرا سا مسکرایا' سر کو خم دیا اور واپس اخبار پڑھنے لگا۔ عصرہ البتہ پورے دل سے مسکرائی اور فخریہ محبت بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

نووارد کے ملازم نے میز پہ ٹوکری لا کر رکھی جس میں سرخ گلابی سے انویٹیشن کارڈز جھلک رہے تھے۔

"کیسے ہو ایش؟"

"ہمیشہ کی طرح اچھا۔ اور سوری میں آنے سے پہلے بتا ہی نہیں سکا۔" وہ مسکرا کے کہنے لگا تو فاتح صفحہ پلٹاتے ہوئے سادگی سے بولا۔

"فکر نہ کرو، تمہاری بہن کو وحی آجاتی ہے اس لئے وہ تمہاری پسند کا ناشتہ بنا لیتی ہے۔ ریلیکس۔ ناشتہ کرو۔"

عصرہ کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ چہرہ خفت سے گلابی ہوا۔ نگاہیں چرائیں مگر اشعر ہنس پڑا اور پلیٹ قریب کھسکائی۔

"وہ کیا ہے آبنگ (بھائی) کہ خون کے رشتوں کی کشش کے آگے دنیا کے سارے رابطے ہیچ ہوتے ہیں۔" فاتح نے اگلا صفحہ پلٹا یا اور گہری سانس لے کر اخبار پہ نظریں جمائے بولا۔ "بہت لوگ دیکھے ہیں ایش مگر تمہاری طرح کا ڈھیٹ چھوٹا ابھی تک نہیں دیکھا۔"

"میری خوش قسمتی ہے، بھائی!" وہ پھر سے ہنس دیا اور پلیٹ میں چاول نکالتے ہوئے ایک نظر اطراف میں ڈالی۔ پیچھے کھڑے ایڈم نے محسوس کیا تھا کہ اس کی نظریں بہت تیز تھیں۔ عقاب جیسی نہیں۔ کسی لومڑی کی مانند۔

"عبداللہ کہاں گیا؟" فوراً سے تبدیلی محسوس کر کے پوچھا۔

"چھٹی پہ گیا ہے۔ تم سناؤ، کیسے آئے۔" عصرہ اشیائے طعام اس کے سامنے رکھتے ہوئے موضوع بدلنے لگی۔

"میں یہ آپ کے لیے نیلامی کے کارڈز لایا تھا۔ آپ کے آرٹ پیسز کی نیلامی کی تقریب کے سارے انتظامات مکمل ہو گئے ہیں۔ آپ کارڈز دیکھ لیں۔ ابھی میں نے کسی کو بھیجے نہیں ہیں۔ لیٹ نائٹ آئے تو میں صبح سب سے پہلے ادھر ہی چلا آیا۔ اور ایک تو صبح صبح اس دی مالے تائمز ملے میل کے رپورٹر نے فون پہ فون کرنے شروع کر دیے تھے۔ پتہ نہیں ان کو کون بتاتا ہے کہ فاتح بھائی چیئرمین کا الیکشن نہیں لڑ رہے۔ میری رائے پوچھ رہا تھا۔ ابھی تو میں نے پالیسی اسٹیٹمنٹ دی ہے، لیکن سچ پوچھیں تو میں آپ لوگوں کے اس فیصلے سے خوش نہیں ہوں۔" اس کے لہجے میں افسوس تھا۔ فاتح نے اخبار سے نظر تک ہٹانے کا تکلف نہیں کیا۔ سوپ پیتے ہوئے وہ کالم پڑھتا رہا۔

"میں آج جو کچھ بھی ہوں.... سیاست میں میرا جو مقام بھی ہے، وہ آپ دونوں، بالخصوص فاتح بھائی کی وجہ سے ہے۔ اگر بھائی مجھے انگلی پکڑ کے چلنا نہ سکھاتا، مجھے ہر وقت اپنے ساتھ نہ رکھتا تو میں ایک عام سا وکیل ہوتا۔ مگر ایک ممبر پارلیمنٹ نہ ہوتا۔ اور اب جب وہ وقت آیا ہے کہ آپ دونوں مجھے چیئرمین بنا رہے ہیں، مجھے اس عہدے تک لے جا رہے ہیں جس کے میں قابل نہیں ہوں تو آپ سیاست سے کنارہ کش ہو کے باہر جانا چاہتے ہیں۔" وہ احساس بھری خفگی سے کہہ رہا تھا اور کہتے ہوئے اپنی سیاہ چمکتی آنکھوں سے باری باری دونوں کے تاثرات دیکھتا تھا۔ "میں اپنے حق میں آپ کی دستبرداری کے فیصلے کی جتنی قدر کرتا ہوں، اتنا ہی مجھے اپنا آپ اکیلا محسوس ہونے لگا ہے بھائی۔ اگر آپ لوگ چلے گئے تو مجھے کون گائیڈ کرے گا؟ کاکا.... اتنی ضد مت کریں۔" اس نے گویا بہن کی منت کی۔

"میں پولیٹیکل وائف پوز کر کر کے تھک چکی ہوں ایش۔ ہمارے پاس اس مہنگے شوق کو جاری رکھنے کے لئے کوئی فنڈز نہیں ہیں۔ آریانہ کے بعد تو میرا کسی چیز میں دل نہیں لگتا۔ میں بس واپس جانا چاہتی ہوں اور ظاہر ہے فاتح کو اپنی فیملی بہت عزیز ہے، بیوی بچوں سے الگ تو وہ نہیں رہ سکتا۔"

اشعر نے خستہ کری پف کا ٹکڑا منہ میں ڈالا اور اسے چباتے ہوئے پرسوچ نظروں سے فاتح کو دیکھا۔ "آبنگ (بھائی).... آدمی کو آپ جیسا جمہوری بھی نہیں ہونا چاہیے۔ میرے حق میں دستبرداری کی میں بہت قدر کرتا ہوں، مگر یوں ملک چھوڑ کے...."

"تمہیں کس نے کہا کہ میں دستبردار ہو رہا ہوں' ایش؟" اس نے عینک اتارتے ہوئے اور اخبار چہرے کے سامنے سے ہٹاتے ہوئے ٹھنڈی نظروں سے ایش کو دیکھ کے کہا تو لمحے بھر کو نوجوان سیاستدان کی رنگت اڑ گئی مگر وہ سنبھل کے مسکرا دیا۔ "آپ کا جو بھی فیصلہ ہو گا' میں اس میں آپ کے ساتھ ہوں گا' آبنگ۔ جیسے آپ نے مجھے اکیلا نہیں چھوڑا' میں بھی نہیں چھوڑوں گا۔ آپ میرے آئیڈیل ہیں' کبھی مت بھولیے گا۔"

"تھینک یو۔" وہ اخبار تہہ کر کے کرسی دھکیلتا اٹھا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ ایڈم نے جلدی سے اس کا ٹیبل اٹھایا اور فاتح کے پیچھے لپکا۔ ذہن میں مسلسل ماں کی باتیں گونجنے لگی تھیں۔ اسے ان باتوں کے تہہ در تہہ معانی اب سمجھ آنے لگے تھے....

ڈائننگ روم خالی ہوا تو اشعر آگے کو جھکا اور فکر مندی سے بہن کو دیکھا۔ "آپ نے کہا تھا' بھائی مان گیا ہے۔"

"ایش!" عصرہ نے اس کا ہاتھ دبایا اور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔ "میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ اگلے وزیر اعظم تم بنو گے تو تم ہی بنو گے۔ میں فاتح کو مزید سیاست میں خود کو تباہ کرتے نہیں دیکھ سکتی۔ اسی سیاسی Campaign کے دوران آریانہ کو کھویا تھا ہم نے۔ فاتح کے پاس صرف خواب ہیں' پیسے نہیں۔ میں اسے مزید اپنا اور میرا پیسا اس سیاست میں نہیں جھونکنے دوں گی۔"

"مگر میں برا فیل کر رہا ہوں۔ بھائی مجھ سے خفا ہے۔"

"وہ تم سے خفا نہیں ہے۔" عصرہ نے ٹوکری سے ایک کارڈ نکالتے ہوئے ہاتھ جھلا کے اس کے واہمے کو رد کیا۔ "وہ خود سے خفا ہے۔ وہ ناکام ہو چکا ہے اور اس ناکامی کا اعتراف نہیں کرنا چاہتا۔"

"ویسے تمہیں ان کو ملک چھوڑنے کا نہیں کہنا چاہیے تھا۔ ملائیشیا ان کے خون کا حصہ ہے۔" وہ جانچتی پرکھتی نظروں سے بہن کو دیکھتے ہوئے بظاہر سادگی سے بولا تھا۔

"میں اس سے کم پہ راضی نہیں ہو سکتی۔ سوری۔" پھر کارڈ کھولا تو اس کی بھوری آنکھوں میں ستائش ابھری۔ "بہت خوبصورت کارڈز ہیں۔ تھینک یو ایش۔ تم نے میرے کہے بغیر سارا انتظام اپنے سر لے لیا۔"

"کیسی باتیں کرتی ہو کاکا۔ تمہیں باہر سیٹل ہونے کے لئے یہ رقم چاہیے تھی۔ اتنے سالوں سے اتنی بڑی آرٹ گیلری کی مالک رہی ہو' اب اس سارے آرٹ کو فروخت کرنے لگی ہو تو اونے پونے داموں تو نہیں بیچنے دوں گا نا اس سب کو۔ ایک دنیا شریک ہو گی اس میں۔"

"زبردست۔ نیلامی کی رقم کا ایک چوتھائی چیریٹی میں جائے گا اور اسی چیز کو بنیاد بنا کے ہم اس کی تشہیر کریں گے۔" وہ جوش سے بتا رہی تھی۔ پھر جیسے یاد آیا۔ "جمعرات کی سہ پہر وہ کویتی امیر میری گیلری آئیں گے۔"

"کون سے کویتی؟"

"تم اور فاتح ایک جیسے ہو۔ بار بار بھول جاتے ہو۔ میں نے بتایا تھا نا کہ ایک کویتی امیر ہمیں نیلامی کے لیے ایک نادر پینٹنگ کا عطیہ دے رہے ہیں۔ سپائکم کی پینٹنگ "گھائل غزال" (زخمی ہرن)۔ وہ ایک مشہور آرٹ کلیکٹر ہیں اور جس وقت وہ گیلری آئیں تمہیں وہاں

ہونا ہے لازمی۔ سیاستدانوں کی بیویوں کو لوگ عطیے صرف سیاستدان سے تعلقات بنانے کے لیے دیتے ہیں۔ ان کا کوئی کام وغیرہ ہو تو تم کر دینا۔ فاتح سے تو مجھے امید نہیں ہے۔" وہ بے رخی سے کہہ کے کارڈ کو دیکھ رہی تھی۔

"شیور مگر پینٹنگ کو کسی ایکسپرٹ سے چیک ضرور کروانا۔ نقلی نہ نکلے۔"

"ظاہر ہے' کرواؤں گی۔ ایسے ہی تو نیلامی پہ نہیں رکھ دوں گی نا۔ میری کریڈیبلٹی کا سوال ہے۔" وہ اب کارڈز واپس ڈال رہی تھی۔ اشعر نے ایک نظر کھڑکیوں کو دیکھا جن پہ ٹپ ٹپ قطرے برس رہے تھے اور پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ "چلتا ہوں کاکا۔ آج بہت کام ہیں۔"

عصرہ نے چہرہ اٹھا کے محبت بھری نظروں سے اشعر کو دیکھا۔ "تم شادی کر لو اشعر۔"

"شادی!" اس نے بھنویں اکٹھی کیں جیسے اچانک اس ذکر پہ حیرت ہوئی ہو۔

"ہاں ایش.... کسی اعلیٰ خاندان کی خوبصورت لڑکی سے شادی کر لو۔ ملے زیا کے لوگوں کو کیا اچھا لگتا ہے؟ ان کے لیڈر کی ایک مثالی' خوبصورت بیوی' اور دو بچے ہوں۔ پرفیکٹ فیملی۔ تمہاری ریٹنگز بھی اوپر جائیں گی اور شہرت بھی بڑھے گی۔"

"ہوں۔" وہ تھوڑی کھجاتے ہوئے سوچنے لگا۔ "مگر کاکا اتنی پرفیکٹ لڑکی کہاں ملے گی؟"

"جیسے تمہارے حلقہ احباب اور عادتوں کو میں تو جانتی ہی نہیں۔ جاؤ' ڈھونڈو کوئی۔" عصرہ نے ہاتھ جھلا کے اسے ہلکا سا جھاڑ دیا اور کارڈز کی طرف متوجہ ہو گئی۔ ایش ہنس دیا۔ پھر اپنی کالی آنکھوں سے اطراف کا عمیق جائزہ لیا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆==========☆☆

کے ایل کے ایک دوسرے رہائشی علاقے میں آؤ تو یہاں تنکو کامل کے گھر بھی صبح ہو چکی تھی۔ بارش یہاں بھی تراتر سے جاری تھی۔ لاؤنج کی کھڑکیوں سے بھیگتا لان صاف دکھائی دے رہا تھا۔ مسز شیلا صوفے پہ بیٹھی' دلگرفتگی سے سامنے بیٹھی تالیہ کو دیکھ رہی تھیں۔

"وہ ایسے تمہاری شادی کیسے کر سکتے ہیں؟"

تالیہ نے گلابی متورم آنکھیں اٹھائیں۔ وہ یونیفارم میں ملبوس تھی' سیاہ بال کس کے باندھ رکھے تھے' اور چہرے پہ اداسی تھی۔ "سر نے جو پیسے مجھے دیے تھے اور جو اس آدمی نے دیے تھے' وہ میں نے اپنے والد کو بھجوائے۔ مجھے لگا تھا وہ خوش ہوں گے مگر ان کو لگتا ہے کہ میں غلط کاموں میں پڑ گئی ہوں' اس لئے انہوں نے میرا رشتہ طے کر دیا ہے اور مجھے واپس بلا لیا ہے۔" آنکھیں بھیگنے لگیں "مگر میں غلط کاموں میں تو نہیں پڑی تھی نا میم۔ تالیہ نے تو وہی کیا جو مسٹر کامل نے کہا تھا۔ تالیہ نے تو چوری نہیں کی تھی نا میم۔" آنسو اس کی آنکھ سے ٹپکا اور گلابی گال پہ لڑھک گیا۔

"میں تمہارا دکھ سمجھ سکتی ہوں تالیہ۔" شیلا نے اس کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھا۔ "میری ماں نے بھی میری بہن کے ساتھ یہ کیا تھا۔ آہ ہم ایشیائی عورتیں۔ میں تو اس وجہ سے ماں کو کبھی معاف نہیں کر سکی۔"

تالیہ چونکی۔ "مگر آپ کو تو اپنی والدہ سے بہت محبت تھی نا۔ آپ نے بتایا تھا کہ انہوں نے آپ کو ایک تاج دیا تھا جو آپ نے اپنے بیٹے

کی بیوی کے لیے سنبھال رکھا ہے۔"

"کون سی محبت؟ ہونہہ۔ سوتیلی ماں تھی وہ ہماری۔ اس کا دیا زیور بھی پہننے کو دل نہیں چاہتا میرا۔ قیمتی نہ ہوتا تو سنبھال نہ رکھتی۔" انہوں نے نخوت سے سر جھٹکا تو تالیہ کا منہ کھل گیا۔ ایک بے بس سی نظر اوپر ڈالی جہاں اسٹڈی کے لاکر میں وہ اس تاج کو ان پہ رحم کھا کے چھوڑ آئی تھی۔ (اُف اُف..... کاش خواہ مخواہ انسانیت کے چکر میں نہ پڑی ہوتی۔ ہائے۔ وہ کتنا پیارا اور قیمتی تھا۔ کاش موٹی کی بات سن لی ہوتی۔)

"میں چلتی ہوں میم۔ اور اگر آپ لوگ کبھی لاہور آئیں تو میرے پاس ضرور آئیے گا۔ ہم لاہور کے لوگ بہت پیارے ہوتے ہیں۔ کھلے دل کے مہمان نواز اور کھاتے پیتے سے۔" وہ بادلِ نخواستہ کہتی چھتری اٹھائے اٹھی تو وہ بھی کھڑی ہو گئیں۔

"انشاءاللہ کیوں نہیں۔" وہ مسکرا کے بولیں پھر پرس کھولا۔ "اپنی باقی تنخواہ لیتی جاؤ۔"

"نہیں میم... سر نے اتنا کچھ دے دیا ہے، میں اب مزید کچھ نہیں لوں گی۔" وہ فوراً پیچھے ہٹ گئی۔ اور سختی سے گردن دائیں بائیں ہلائی۔ انہوں نے زبردستی تھمانے چاہے تو تالیہ نے ہاتھ پیچھے کر لیے۔ "نہیں میم! یہ میں نہیں لوں گی۔"

"اچھا میں کچھ اور کر سکتی ہوں تمہارے لیے؟" وہ خلوص سے پوچھ رہی تھیں۔ تالیہ نے بدقت اپنے خفا جذبات کو چہرے پہ آنے سے روکا۔ (ماں کے زیور کے قصے کیوں سنائے تھے آخر پھر؟ اُف تالیہ تم نے وہ کیوں چھوڑ دیا؟) "بس دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔"

"کیوں نہیں تالیہ۔ اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ تم اتنی اچھی، صاف اور سچے دل کی مالک جو ہو۔"

باہر ایک دم زور سے بجلی کڑکی۔ بارش کی بوچھاڑ تیز ہوئی۔ تالیہ کی آنکھوں میں سایہ سا لہرایا۔ سیاہ تاریک مایوس سا سایہ۔ دل ایسے ڈوبا ... جیسے نیلے سمندر میں ٹوٹا ہوا جہاز ڈوب جاتا ہے....

(اللہ تعالیٰ اس بات سے اتفاق نہیں کرے گا مسز شیلا... مگر خیر....) اس نے سر جھٹک دیا۔ ہمیشہ کی طرح گلٹ کو بھی جھٹک دیا۔

مسز شیلا اب پرس واپس رکھ کے اسے وقتِ رخصت کی دعائیں دے رہی تھیں۔ بارش ویسی ہی برس رہی تھی۔

وہ گھر آئی تو دروازہ کھلا تھا۔ داتن چپل کے لاؤنج کے مرکزی صوفے پہ براجمان تھی۔ ٹی وی چلا ہوا تھا اور وہ آلو کے گرما گرم چپس کھا رہی تھی۔ تالیہ نے سامنے آتے ہوئے آنکھیں چھوٹی کر کے اسے دیکھا۔

"اتنے سارے چپس....." ایک مشکوک نظر اوپن کچن کاؤنٹر پہ ڈالی۔ "اور اتنے سارے جھوٹے برتن ظاہر کر رہے ہیں کہ تم کب سے بیٹھی بس کھا ہی رہی ہو۔ یقیناً رات دیر تک جاگتی رہی تھیں....." وہ دونوں ہاتھ کمر پہ رکھے سامنے پھیلے بکھراوے کو دیکھنے لگی۔ کاغذات۔ لیپ ٹاپ۔ کتابیں۔ "یہ کام تو تم نے صبح اٹھ کے میرے جانے کے بعد شروع کیا ہوگا، پھر رات بھر جاگ کے کمپیوٹر پہ کیا کرتی رہی تھیں؟ مجھے سوچنے دو۔ ہوں۔" تالیہ نے انگلی سے گال پہ دستک دی اور اوپر چھت کو دیکھتے ہوئے سوچا۔ "جب داتن ساری رات کمپیوٹر پہ بیٹھے اور اتنا کھائے اور صبح اس کے چہرے پہ یہ پچھتاوے بھری خاموشی ہو تو اس کا ایک ہی مطلب ہوتا ہے۔ کہ تم رات بھر گوگل پہ دبلے ہونے کے طریقے دیکھتی رہی تھیں۔"

داتن جو ناک پہ عینک جمائے اسکرین کو دیکھ رہی تھی اس بات پہ نظریں اٹھا کے اسے گھورا۔ "اور تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا؟"

"تمہاری آنکھوں کے گرد لکیروں میں لکھا ہے بوڑھی عورت۔"

"تم جھوٹ بول رہی ہو۔ تم نے صبح میرے لیپ ٹاپ کی ہسٹری چیک کی ہوگی۔"

"ظاہر ہے میں نے ہسٹری چیک کی تھی۔" وہ کھلکھلا کے ہنس دی اور اس کے ساتھ صوفے پہ آ بیٹھی۔ پیروں کی قینچی بنا کے میز پر رکھ لئے۔ "اتنا ہلکان نہ ہوا کرو داتن۔ تم اب پتلی نہیں ہو سکتیں۔"

"پتلا ہونے کے لیے عمر کی شرط نہیں ہے۔ انسان کسی بھی عمر میں دبلا ہو سکتا ہے۔"

"انسان ہو سکتا ہے نا۔ برائلر مرغیاں نہیں۔" وہ کہہ کے زور سے ہنسی۔ "ویسے دیکھا ہے تم نے کبھی کسی مرغی کو ڈائٹنگ کرتے؟ سوپ اور ابلی سبزیاں کھاتے؟ نہیں نا۔"

داتن نے خفگی سے ناک سکوڑی اور اسے رنجیدہ نظروں سے دیکھا۔ "بہت خوش نظر آرہی ہو۔ خیر ہے؟"

"ہاں نا۔ تنکو کامل کے گھر سے استعفیٰ دے آئی ہوں۔ بقایا تنخواہ بھی ان کو صدقہ کر آئی ہوں۔ جلد ان کو اس کی ضرورت پڑے گی۔ چچ چچ۔" افسوس سے سر ہلایا۔ اپنی انسانیت کا نتیجہ گول کر گئی۔ "خیر... اب ہم فاتح رامزل پہ کام کرنا شروع کریں گے۔ میں فریش ہو کے آتی ہوں اور پلان بتاتی ہوں۔"

کہہ کے اس نے پیر نیچے اتارے اور جھک کے جوتے کھولنے لگی۔ چونکہ تالیہ کے بال جوڑے میں بندھے تھے گردن کی پشت پہ گول سا جلنے کا نشان دکھائی دے رہا تھا۔ داتن اس کو دیکھے گئی پھر موبائل نکالا اور ہاتھ اونچا کر کے اس نشان کی تصویر لی۔

"کیا کر رہی ہو؟ میری جیسی پتلی تم اگلی دس زندگیوں میں بھی نہیں ہو سکتی۔" تالیہ جوتے اٹھاتے سیدھی ہوئی ' اسے چڑانے کو بولی اور سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔ داتن نے کچھ نہیں کہا۔ بس اسکرین کو زوم کر کے اس نشان کو غور سے دیکھنے لگی۔ اس کی سیاہ موٹی موٹی آنکھوں میں اچنبھا سا تھا۔ اس نے تصویر موبائل سے لیپ ٹاپ میں ڈالی' اس کا پرنٹ آؤٹ نکالا اور پھر اس کاغذ کو تہہ کر کے اپنے پرس میں رکھ لیا۔

وہ فریش ہو کر آئی تو داتن اس تصویر لینے کا ہر نشان مٹا چکی تھی۔ تالیہ نے گیلے سیاہ بال تولیے میں لپیٹ رکھے تھے اور پیروں میں سلیپرز پہن رکھے تھے۔ وہ سامنے والے صوفے پہ آلتی پالتی کر کے بیٹھی اور بولی۔

"تو ہم کیا جانتے ہیں فاتح رامزل کے بارے میں؟"

☆☆=========☆☆

(فاتح رامزل جس کے نام کے ساتھ وان لگتا ہے... اور تم جانتی ہو تالیہ کہ وان ملائیشیا میں ان لوگوں کے ناموں کے ساتھ لگتا ہے جو اوپر سے شاہی خاندان میں سے تھے مگر پھر کسی ایک نے کسی عام آدمی سے شادی کر لی تو ان کی نسل میں ملاوٹ ہو گئی۔)

کے ایل کی سڑک پہ وہ سیاہ لمبی کار دوڑ رہی تھی اور پچھلی سیٹ پہ بیٹھا فاتح کھڑکی کے باہر دیکھ رہا تھا۔ آنکھیں پر سوچ انداز میں چھوٹی کر

رکھی تھیں اور مسلسل ٹھوڑی کو انگوٹھے سے رگڑ رہا تھا۔ فرنٹ سیٹ پہ تابعداری سے بیٹھا ایڈم گاہے بگاہے آئینے میں اپنے مالک کو دیکھ لیتا تھا۔ عارضی مالک کو۔ اس نے سوچ کی تصحیح کی۔

(فاتح کم عمری میں اپنے والدین کے ساتھ امریکہ چلا گیا تھا۔ اس کو وہاں کی شہریت بھی مل گئی مگر وہ کبھی ملک سے کٹا نہیں۔ چھٹیوں میں، تہواروں پہ وہ کے ایل آجاتا تھا۔ لوگ کہتے ہیں وہ وہاں کالج میں کافی مقبول تھا۔)

''یوں کرو کار موڑ لو۔'' کھڑکی سے نظر ہٹائے بغیر فاتح نے ڈرائیور کو مخاطب کیا تو وہ چونکا۔

''سر ہم پارلیمنٹ نہیں جا رہے؟'' اس کے وقت کا ایک ایک منٹ ڈائری میں لکھا ہوتا تھا۔ ایسے میں یہ تبدیلی؟

''ونس کے گھر کی طرف لے چلو۔''

''مگر سر' کیا آج آپ سیشن اٹینڈ نہیں کریں گے؟'' ڈرائیور نے فکر مندی سے پوچھا۔

''راستے سے پھول بھی لیتے چلو۔ ونس بیمار ہے کچھ عرصے سے۔''

''او کے سر۔ میں پولیٹیکل سیکرٹری کو انفارم کر دوں کہ آپ سیشن اٹینڈ نہیں کریں گے؟'' ایڈم نے جلدی سے فون نکالا۔ سیکرٹری دوسری کار میں آ رہا تھا۔

''گلاب مت لینا۔ ونس کو اس سے الرجی ہے۔ کچھ اور لینا۔'' وہ کھڑکی سے باہر دور نظر آتی اونچی عمارتوں پہ نظریں جمائے بولا تھا۔ ایڈم گہری سانس لے کر رہ گیا۔ اتنا تو وہ پچھلے تین گھنٹوں میں سمجھ چکا تھا کہ اس کا عارضی مالک بات کا سیدھا جواب نہیں دیتا۔

(فاتح نے دو دفعہ اسٹیٹ اٹارنی کا الیکشن لڑا اور دونوں دفعہ ریاست کے لوگوں نے اسے منتخب کر کے آفس میں پہنچایا۔ وہ امریکہ میں کافی مقبول تھا۔ اس کا ریکارڈ شاندار تھا۔ ایماندار آدمی' سچا اور کھرا مگر وہ سب چھوڑ کے ملائیشیا واپس آیا' اور یہاں کی سیاست میں حصہ لینا شروع کیا۔)

کار اب بھی سڑک پہ دوڑ رہی تھی اور وہ ہنوز باہر دیکھتے ہوئے کچھ سوچ رہا تھا۔ ڈرائیور اور باڈی مین اپنے اپنے فونز پہ لگے تھے۔ سیکرٹری کو اطلاع' ونس صاحب کے آفس میں اطلاع.... پروٹوکول.... سکیورٹی انتظامات.... افراتفری سی مچ گئی تھی۔

(وہ دو دفعہ ممبر پارلیمنٹ منتخب ہوا ہے اور ان دس سالوں میں اس نے اپنے حلقے کے لئے بہت کچھ کیا ہے۔ اس نے علاقے کو صاف کیا' وہاں بہترین اسکولز بنوائے' بہترین ہسپتالوں کا نظام لایا' سکیورٹی بہتر کی۔ لوگ اس سے خوش ہیں۔ اگر کوئی نہیں خوش تو اس کی اپنی پارٹی ہے۔)

کار اب ایک پھولوں کی دکان کے سامنے رکی ہوئی تھی۔ وہ ابھی تک باہر دیکھتے ہوئے گہری سوچ میں گم تھا۔ جیب میں رکھا موبائل وقفے وقفے سے تھرتھراتا تھا مگر وہ ادھر متوجہ نہیں تھا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

(اس کی صاف گوئی نے جہاں بہت سے دوستوں کو ناراض کیا وہاں حد سے زیادہ بے نیازی امیر lobbyists کو اس سے دور کر کے

اشعر کے قریب لے گئی۔اشعر اس کی بیوی کا بھائی ہے۔میٹھی چھری جیسا۔ ہر وقت ہنستا مسکراتا ہوا ایک نمبر کا دوغلا اور ambitious انسان۔اشعر نے اپنے آ بنگ کے نام پہ لوگوں سے قرضے لئے فیورز مانگے۔یہ نہیں کہ فاتح ان کو ادا کرے گا بلکہ یہ کہ اس طرح میں آپ کو فاتح سے قریب کردوں گا۔اشعر امیر ہوتا گیا اور فاتح کی جمع پونجی کم ہوتی گئی۔سیاست بہت مہنگا شوق ہے اور اس کی بیوی کا کام بھی اس سے متاثر ہوا ہے۔اوپر اوپر سے لگژری لائف اسٹائل کا ملمع تو ہے مگر اندر سے ان کے پاس کچھ نہیں بچا مگر وان فاتح کو اس کی پرواہ ہی نہیں ہے۔)

کار پھر سے چل پڑی تھی۔پھول ایڈم نے ڈیش بورڈ پہ رکھ دیے تھے اور ان کی خوشبو نے ساری کار کو مہکا دیا تھا۔ایسی دلفریب خوشبو کہ طبیعت خوش ہو جائے۔ایڈم کا موڈ بھی ایک دم کافی خوش ہو گیا۔

(وہ ایک خواب میں جی رہا ہے تالیہ۔ایک آئیڈیلزم میں۔لوگ کہتے ہیں اسے سیاست نہیں آتی۔اسے عیاریاں نہیں آتیں۔وہ عوام کے ووٹ کے بھروسے پہ وزیر اعظم بننے کے لئے پر یقین اور پر امید ہے مگر اسے اتنا بھی احساس نہیں کہ ملےزیا میں جمہور کی حمایت کافی نہیں۔امیر دوست زیادہ ضروری ہیں۔)

گاڑیوں کا قافلہ ایک بنگلے کے باہر پہنچا تو خود کار گیٹ کھل کے دیوار میں گھستا گیا۔کار طویل ڈرائیو وے پہ آگے بڑھتی آئی۔

(فاتح ایک سادہ آدمی ہے۔مغرور بھی ہے مگر ہر ایک پہ اعتبار کر لیتا ہے۔سب کو اپنے جیسا سچا سمجھتا ہے۔اس کے دوست اشعر کے ساتھ ملتے جا رہے ہیں۔دباؤ بڑھ رہا ہے۔اب دیکھنا یہ ہے کہ فاتح رامزل اپنے خواب سے دستبردار ہوتا ہے یا نہیں۔)

ایڈم جھٹ کار سے نکلا اور فاتح کا دروازہ کھولنے کے لئے ہاتھ بڑھایا مگر وہ فاتح نے دروازہ خود ہی کھولا' اور کوٹ کا بٹن بند کرتے باہر نکلا۔

☆☆=========☆☆

باہر نکل کے فاتح رامزل نے گردن اٹھا کے اس اونچے گھر کو دیکھا۔بارش اب تھم چکی تھی۔سیاہ بادل غائب ہو رہے تھے۔

"تم لوگ یہیں رکو۔"اس نے بے نیازی سے تمام ملازموں کو ہاتھ سے اشارہ کیا جو ساتھ آ رہے تھے۔سب رک گئے' اور سمجھ کے چند قدم پیچھے ہٹ گئے۔فاتح گھر کے برآمدے کی طرف بڑھا جہاں شخص کے ملازم اس کو اندر لے جانے کے لیے مستعد کھڑے تھے۔ پھر وہ ٹھہرا اور گردن موڑ کے سوالیہ نظروں سے ایڈم کو دیکھا جو ساتھ چلا آ رہا تھا۔

"مجھے تمہاری ضرورت نہیں۔یہیں رکو۔"

"سوری سر' مگر آپ کو صبح سے فلو کی شکایت ہے'آپ کو بار بار ٹشو کی ضرورت ہو گی جو میں ساتھ لایا ہوں اور آپ کو کسی دوسرے کے ملازم کے ٹشوز پہ نہیں چھوڑ سکتا۔مجھے آپ کے ساتھ آنا ہو گا۔"

فاتح نے اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے ایک ابرو اٹھائی۔"تم مجھے متاثر کرنے کی کوشش کر رہے ہو؟"

''نہیں سر۔ میں نے آج صبح سے یہ فیصلہ کیا ہے کہ میں آپ کے ساتھ سچائی اور ایمانداری سے کام کروں گا' کیونکہ میں آپ کے ملازموں میں وہ واحد شخص ہوں جس کو آپ سے کچھ نہیں چاہیے۔'' وہ سادگی سے مسکرایا۔

''واقعی؟'' (تمام ملازمین' سیکرٹری' سب ایڈم کو گھور رہے تھے مگر وہ نڈر سا بولے جا رہا تھا۔)

''سر' میری نوکری ویسے بھی چند دن میں ختم ہو جائے گی اور آپ کبھی کسی کی سفارش نہیں کرتے' سو مجھے آپ سے کچھ نہیں ملنے والا۔ کل رات تک میرے دل میں لالچ تھا اس لئے میں نے جھوٹ بولا تھا کہ میں نے کسی کو ووٹ نہیں دیا۔ میں نے آپ کی مخالف امیدوار کو ووٹ دیا تھا سر' حکمران پارٹی کو۔ اپنی موجودہ وزیر اعظم کو۔ مگر اب مجھے خوف نہیں ہے سر۔ سچ بولنے والے انسانوں کی ناراضی سے ڈرتے نہیں ہیں۔ اس لئے سوری مگر میں آپ کو اکیلے اندر نہیں جانے دے سکتا جب کہ آپ کو فلو ہے۔''

فاتح ہلکا سا مسکرایا اور آنکھیں چھوٹی کر کے اسے دیکھا۔ ''تم واقعی مجھے متاثر کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔'' اور آگے بڑھ گیا۔ ایڈم مستعدی سے پیچھے لپکا۔ سیکرٹری نے تادیبی انداز میں پکارا' ڈرائیور نے گھورا مگر چونکہ فاتح نے منع نہیں کیا اس لئے وہ رکا نہیں۔

کچھ دیر بعد وہ لوگ ایک خوبصورتی سے سجائے گئے شاہانہ طرز کے ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے۔ اونچی کھڑکیاں' سنہری پردے اور سفید مخملیں صوفے۔ جیسے کراچی کا کوئی بنگلہ ہو۔ شمس صاحب چینی نقوش کے حامل ادھیڑ عمر انسان تھے۔ ان کے سامنے فاتح رامزل براجمان تھا۔ ہاتھ صوفے کی پشت پہ پھیلائے' ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا تھا۔ ایڈم پیچھے کھڑا تھا۔ ہاتھ میں ٹشو کا پیکٹ تھا۔

''تمہیں کچھ پریشان کر رہا ہے' فاتح؟'' شمس صاحب تفکر سے اس کا چہرہ دیکھ کے بولے تھے۔

''میں ایک دوراہے پہ کھڑا ہوں۔ کراس روڈز پہ۔ سامنے تین سڑکیں ہیں۔ فیصلہ نہیں کر پا رہا کہ کون سی لوں۔'' بات کے اختتام پہ وہ جھکا اور میز پر رکھے ٹشو باکس سے تین ٹشو کھینچے۔ (ایڈم کا منہ کھل گیا۔) ''تمہارے پاس اس لئے آیا ہوں تا کہ اپنا ذہن کلیئر کر سکوں۔''

''مجھے خوشی ہے کہ تم نے ہر برے وقت میں مجھے یاد رکھا ہے اور مجھ پہ بھروسہ کیا ہے۔''

''میں کسی برے وقت میں نہیں ہوں شمس۔'' تہہ شدہ ٹشو سے ناک رگڑتے اس نے کندھے ذرا سے اچکائے تھے۔ ایڈم نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ ٹشو کا پیکٹ پکڑا ہاتھ پہلو میں ڈھیلا سا گر گیا۔

''اگر مجھ پہ بھروسہ کیا ہی ہے تو میری رائے کو تحمل سے سنو۔ تم اچھے وقت میں بھی نہیں ہو فاتح۔ لوگ تم سے ہاتھ کھینچ رہے ہیں۔''

''ایش چاہتا ہے میں چیئرمین شپ کے الیکشن سے دستبردار ہو جاؤں۔ عصرہ چاہتی ہے کہ ہم امریکہ چلے جائیں۔''

''یہ سراسر ظلم ہے۔'' شمس صاحب کے چہرے پہ غصہ نظر آنے لگا۔ ''چیئرمین بننے کا اگر یہ درست وقت نہیں ہے تو وہ الگ بات ہے لیکن ملک چھوڑنا... اپنی سیاست چھوڑ کے کسی lounge lizard کی طرح ریٹائرمنٹ گزارنا.... یہ تمہاری شان کے خلاف ہے۔''

فاتح نے اسی سادگی سے دوسرا ٹشو تہہ کرتے ہوئے پوچھا۔ ''تمہارے خیال میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟''

''سیاست درمیانی راستے کا نام ہے۔ مفاہمت کا۔ بات چیت سے مسائل حل کرنے کا۔'' وہ سمجھداری سے کہہ رہے تھے۔ وہ ٹشو مٹھی

میں دبائے آنکھیں چھوٹی کر کے ان کو غور سے دیکھتا رہا۔

''تم کچھ اپنی منواؤ۔ کچھ اس کی مانو۔ چیئر مین شپ چھوڑ دو مگر کسی ایک ریاست کی حکومت مانگ لو۔ ایش وزیر اعظم بن کے ایک ریاست تمہارے حوالے کر دے، تم اس شرط پہ ایش سے ڈیل کر لو۔''

''واقعی؟'' فاتح نے سمجھتے ہوئے سر ہلایا۔

''یہ بہترین آپشن ہے۔ پانچ سال تم اس ریاست کے حاکم بن کے خود کو مزید مضبوط کرو۔ پانچ سال بعد تم چیئر مین شپ کا الیکشن لڑو اور وزیر اعظم بننے کی کوشش کرو۔''

''صحیح۔ میں اس بارے میں سوچوں گا۔'' اس نے سر کو آہستہ سے ہلایا اور کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی، پھر ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی اور اٹھ کھڑا ہوا۔ تُس صاحب بھی ساتھ ہی اٹھے۔

''اب اجازت۔ عصرہ کی نیلامی پہ ملاقات ہو گی ان شاء اللہ۔''

''اچھا کوئی ایونٹ ہو رہا ہے مسز عصرہ کا۔ اللہ برکت دے۔''

''ہاں ایش ارینج کروا رہا ہے۔'' وہ مصافحہ کر کے آگے بڑھ گیا۔ ڈرائینگ روم سے نکل کر وہ لابی تک آئے تو درمیانی میز پہ پھولوں کی ٹوکری رکھی تھی۔ ایڈم نے گزرتے ہوئے یونہی نظر گھمائی تو چونکا۔

ٹوکری میں ایک سرخ اور گلابی کارڈ کا کونا جھلک رہا تھا۔ ذہن میں جھماکہ ہوا۔ (''لیٹ نائٹ کارڈز آئے تھے، صبح صبح سب سے پہلے ادھر ہی آیا۔'')

کسی خواب کی سی کیفیت میں ایڈم سیدھا ہوا، پھر آگے دیکھا۔ فاتح موبائل پہ بٹن دباتا آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ ایڈم شل سا پیچھے آیا۔ اس کا دماغ سن ہو رہا تھا مگر اسے خود پہ قابو پا کر کار میں بیٹھنا تھا۔

گیٹ پہ کھڑے ہو کر تُس صاحب نے فاتح کی کار کو الوداعی ہاتھ ہلایا اور جب تمام گاڑیاں نظروں سے اوجھل ہو گئیں تو انہوں نے موبائل نکالا اور اسپیڈ ڈائل پہ ایک نمبر ملا کے فون کان سے لگایا، پھر ایک ہاتھ کمر پہ جمائے، گھنٹی سننے لگے۔

''ایش!'' رابطہ ملنے پہ انہوں گہری سانس لی۔ ''تم نے ٹھیک کہا تھا۔ وہ سب سے پہلے میرے پاس آیا ہے۔ ہاں بے فکر رہو، میں نے وہی کہا ہے جو تم نے بولا تھا۔ ایک ریاست کی حاکمیت اور بس۔'' دوسری طرف سے کچھ کہا گیا تو وہ سوچتے ہوئے بولے۔ ''کچھ کہہ نہیں سکتا مگر وہ دستبرداری کے لئے نیم رضامند لگتا ہے۔ نہیں نہیں اس کو مجھ پہ شک نہیں ہو گا، وہ مجھ پہ اعتبار کرتا ہے۔۔۔۔'' وہ اب بولتے ہوئے اندر کی طرف مڑ گئے تھے۔ آواز ہلکی ہوتی جا رہی تھی۔

چند کلو میٹر دور۔۔۔۔ اپنے آفس فلور کے کارنر آفس میں اشعر یار دبیت سنبھالے بیٹھا تھا۔ ٹیک لگائے وہ فون کان پہ جمائے مسکرا کے سن رہا تھا۔ ''گڈ۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ کبھی بھی امریکہ نہیں جائے گا۔ ہم نے اس کو موت دکھا کے بخار پہ راضی کرنا ہے۔ وہ مجھ سے جلد ہی ایک

ریاست کی بات کرے گا اور میں اس کا مان رکھ لوں گا۔ وہ سمجھے گا سارا آئیڈیا اسی کا ہے۔"

کال بند کر کے اس نے اپنے چیف آف اسٹاف کو بلایا۔ جیسے ہی وہ اندر آیا اس نے دیکھا کہ اشعر سنجیدہ سپاٹ سا بیٹھا ہے۔ چہرے پہ بے رحمی بھری سختی اور ماتھے پہ بل ہیں۔

"عرب امیر زادے کا بندوبست کر لیا ہے؟" اس نے سرد آواز میں پوچھا۔

"یس سر۔ سارے کاغذات پکے ہیں۔ مسز عصرہ کو شک بھی نہیں ہو گا کہ جس عرب امیر سے وہ ملنے جا رہی ہیں وہ ایک اداکار ہے۔"

"اور پینٹنگ؟"

"اسی شیخ کے ملازم سے ان کے گھر سے اٹھوائی ہے لیکن اصل شیخ صاحب اس کو مس نہیں کریں گے کیونکہ چند سال قبل جب زخمی ہرن کی پینٹنگ چوری ہوئی تھی تو چور ہمیشہ کی طرح ایک نقلی پینٹنگ چھوڑ گئے تھے۔ بہت مہارت سے بنائی گئی ہے وہ۔ شیخ صاحب نے غصے سے اس کو اسٹور میں پھینکوا دیا تھا۔"

"اور ایکسپرٹ؟"

"دو ایکسپرٹس کا بندوبست کر لیا ہے جو پینٹنگ کی تصدیق کریں گے اور مسز عصرہ کو بتائیں گے کہ وہ اصلی ہے۔ مسز عصرہ کے اپنے ایکسپرٹ کو عین موقعے پہ ملک سے بھیجنے کا بندوبست بھی کر لیا ہے۔ مسز عصرہ وہ گیلری اونر ہیں ' ایکسپرٹ نہیں۔ وہ دھوکہ کھا جائیں گی۔"

"گڈ۔" اشعر پہلی دفعہ مسکرایا۔ "نیلامی پہ جب پینٹنگ مہنگے داموں بک جائے گی تو عین وقت پہ باہر سے آیا ایک مشہور ایکسپرٹ اس کا معائنہ کرے گا اور میڈیا کے سامنے یہ آشکار کرے گا کہ مسز عصرہ فاتح جعلی پینٹنگ چیریٹی کے نام پہ بیچ رہی تھیں۔ فاتح بھائی کو ذمہ داری قبول کر کے پارلیمنٹ کی رکنیت سے استعفیٰ دینا پڑے گا۔ چچ چچ۔"

"بہت بدنامی ہو گی سر۔" مینیجر کے الفاظ میں افسوس تھا۔ پھر وہ ہچکچایا۔ "مگر سر.... آپ مسز عصرہ کے بھائی ہیں۔"

"غلط!" اس نے سپاٹ لہجے میں بات کاٹی۔ "میں صرف مالے زیا کی وزارت اعظمیٰ کا امیدوار ہوں! یہ تخت کا معاملہ ہے رطی۔ اور تخت کے لیے بیٹے اپنے باپ کو اور باپ بیٹوں کو مار دیا کرتے ہیں۔ ہم ملے زیا کا تخت ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں نہیں دے سکتے جو دس پندرہ سال پہلے ملے زیا آیا تھا۔ اس ملک میں ساری عمر ہم نے گزاری ہے۔ اس کو ایشین ٹائیگر بنتے ہم نے دیکھا ہے۔ اس کے وارث ہم ہی ہیں۔" اور سختی سے ہاتھ جھلایا ' گویا جانے کا اشارہ کیا۔

"جی سر!" مینیجر نے جلدی سے بات ختم کی اور اٹھ کھڑا ہوا۔

☆☆==========☆☆

کوالا لمپور پہ چھائے سرمئی بادلوں کو سورج نے دونوں ہاتھوں سے دائیں بائیں دھکیل کر اپنے جھانکنے کا راستہ بنا لیا تھا۔ بارش ختم ہو گئی تھی اور سنہری دن نکل آیا تھا۔ ایسے میں شہر کا ایک مشہور و معروف کنونشن سینٹر جس کو پترا ورلڈ ٹریڈ سینٹر کہا جاتا تھا ' اپنی پوری آب و تاب

سے کھڑا تھا۔ تکون عمارت جو سامنے سے شیشوں سے ڈھکی تھی اور اس کے اندر بڑے بڑے ہال بنے تھے جہاں کنونشن اور سیمینارز منعقد ہوتے تھے۔ ایک طرف شاپنگ مال تھا اور اوپر آفس بلڈنگز۔ پارسین نیشنل کا ہیڈ آفس اسی تکون عمارت کے اندر واقع تھا اور اس وقت فاتح رامزل آفس فلور کی لابی میں تیز تیز چلتا جا رہا تھا۔ چار پانچ افراد بھی اس کی معیت میں قدم اٹھا رہے تھے۔ ایڈم بالکل خاموش تھا۔ ذہن کے پردے پہ بار بار نوکری سے جھلکتا کارڈ آتا تھا۔

فاتح رامزل اس سے چند قدم آگے تھا۔ سیکرٹری اور باڈی گارڈز کی موجودگی کے باعث وہ اس کے قریب نہیں جا پا رہا تھا۔ اور پھر راستے میں اسے دیکھ کے رک رک جاتے لوگ.... جن کو وہ مسکرا کے، ہاتھ ماتھے پہ لے جا کر سلام کہتا آگے بڑھتا جا رہا تھا....

''سر مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔'' ایڈم نے پیچھے سے اسے پکارا مگر فاتح نے اسے ایک نظر بھی نہیں دیکھا البتہ پولیٹیکل سیکرٹری ایڑیوں پہ گھوما اور غصے سے اسے گھورا۔ ''ایڈم، تم مجھ سے ملو کچھ دیر تک۔ مجھے لگتا ہے عبداللہ نے تمہیں مینرز سکھائے بغیر بھیج دیا ہے۔''

ایڈم خاموش ہو گیا۔ فاتح آفس میں چلا گیا تو وہ باہر بیٹھ گیا۔ جیسے ہی پولیٹیکل سیکرٹری کسی کام سے باہر گیا وہ تیزی سے دستک سے کر آفس میں داخل ہوا۔

اندر بلائنڈز کھلے تھے۔ روشنی میں کمرہ نہایا ہوا لگتا تھا۔ فاتح نے کوٹ اتار کے اسٹینڈ پہ لٹکا دیا تھا اور خود پاور چیئر پہ بیٹھا، عینک لگائے چند کاغذات دیکھ رہا تھا۔ آہٹ پہ بھی متوجہ نہ ہوا۔

''سر!'' ایڈم سنجیدگی سے کہتا سامنے آیا۔ دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ محتاط سا انکھیوں سے دروازے کو بھی دیکھ لیتا کہ کہیں سیکرٹری واپس نہ آ جائے۔ ''کیا میں آپ سے ایک بات کہہ سکتا ہوں؟''

''میں نہیں جانتا لوگ سوال پوچھنے کی اجازت کیوں طلب کرتے ہیں، جب کہ انہیں جواب میں صرف ہاں ہی سننا ہوتا ہے اور اجازت کی انہیں پروا نہیں ہوتی۔'' وہ اپنی ڈائری کے صفحے پلٹاتے ہوئے مصروف انداز میں بولا تھا۔ اسے بہت سے کام کرنے تھے۔ وہ ملک کے مصروف ترین لوگوں میں سے تھا۔ ایڈم کا حلق سوکھنے لگا۔

''سر آپ شمس صاحب کے پاس گئے اور ان سے اشعر صاحب کے بارے میں مشورہ طلب کیا۔'' وہ جلدی جلدی کہنے لگا۔ فاتح اب سیل فون اٹھا کے کوئی چیز ڈائری کے صفحے سے تسلی کر رہا تھا۔ ''انہوں نے یہ ظاہر کیا کہ وہ آپ کے دوست ہیں، اور یہ کہ انہیں مسز عصرہ کے ایونٹ کے بارے میں معلوم نہیں ہے، مگر اشعر صاحب نے صبح کہا تھا کہ وہ کارڈز سب سے پہلے آپ کی طرف لائے ہیں، مگر ایک کارڈ شمس صاحب کے گھر بھی پڑا تھا۔ شمس صاحب کا گھر اشعر صاحب کے گھر کے قریب ہے۔ اگر وہ پہلے ان کو کارڈ دے کر آئے ہیں، تو یقیناً دونوں کی دوستی گہری اور فار میلیٹیز سے پاک ہے۔'' مگر ایڈم کو لگا وہ سن نہیں رہا۔ اس کی ٹانگیں ہولے ہولے کانپنے لگیں۔

''مجھے لگتا ہے سر، آپ غلط آدمی پہ بھروسہ کر کے اس سے مشورہ لے کر آئے ہیں۔ وہ آپ کے ساتھ مخلص نہیں ہیں۔''

فاتح کے چلتے ہاتھ رک گئے۔ اس نے نظریں اٹھا کے ایڈم کو دیکھا اور پھر آنکھوں کو پرسوچ انداز میں چھوٹا کیا۔ ''تمہارا نام کیا ہے؟''

ایڈم کی چلتی زبان کو بریک لگا۔ "ایڈم بن محمد۔"

"ایڈم! رائٹ۔" اس نے سر ہلایا اور پھر ایڈم پہ ٹھنڈی نظریں جمائے پیچھے کو ٹیک لگائی اور عینک اتاری۔ "ایڈم کسی گاؤں میں ایک آدمی کا قتل ہو گیا تو لوگوں نے شہر سے ایک ماہر سراغ رساں کو بلایا۔ اس نے موقع واردات کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ مرنے والے کا کسی شادی شدہ عورت سے افیئر تھا۔ عورت کون تھی' کوئی نہیں جانتا تھا۔ سراغ رساں سیدھا چرچ گیا اور پادری کے ساتھ اعترافی کمرے میں بیٹھ گیا۔ یو نو' ہمارے مسیحی بھائی جب گناہ کرتے ہیں تو پردے کے پیچھے وہ پادری کے سامنے اعتراف کر لیتے ہیں۔ سو اس نے پردے کے پیچھے پادری سے کہا کہ فادر... میں بہت گناہگار ہوں' میرا ایک شادی شدہ عورت سے تعلق ہے۔"

ایڈم سانس روکے سن رہا تھا اور وہ اس پہ نظریں جمائے مدھم مسکراہٹ سے کہے جا رہا تھا۔

"پادری نے فوراً پوچھا' کیا مسز جولیا سے؟ اس نے کہا نہیں۔ پادری بولا' کیا مسز مارتھا سے؟ اس نے کہا نہیں تو پادری نے کہا۔ پھر یقیناً مسز باربرا ہوں گی۔ سراغ رساں وہاں سے نکل آیا۔ باہر کسی نے اس سے پوچھا کہ تم قتل کی تفتیش کی جگہ کیا کرتے پھر رہے ہو؟ تو اس نے کہا' جب میں چرچ میں گیا تھا تو خالی ہاتھ تھا' اب جب کہ میں نکلا ہوں تو میرے پاس تین مشتبہ عورتوں کے نام ہیں!" آخر میں وہ ہلکا سا مسکرایا۔

ایڈم کا منہ کھل گیا۔ چند لمحے لگے اسے بات سمجھنے میں۔ "آپ جانتے تھے کہ وہ اشعر صاحب کے ساتھ ملے ہوئے ہیں' اس لئے آپ ان سے ملنے گئے تاکہ... تاکہ یہ جان سکیں کہ اشعر صاحب اصل میں کیا چاہتے ہیں۔ ان کی اینڈ گیم کیا ہے۔" فاتح نے جواب نہیں دیا مگر اسی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھتا رہا۔ "تمہاری تسلی ہو گئی؟"

"نہیں... میں سمجھا کہ آپ... آپ..." وہ کہہ نہیں سکا کہ آپ بے وقوف ہیں۔ رعب سا رعب تھا جو اس کے وجود پہ طاری ہو رہا تھا۔ ٹانگیں ایک دفعہ پھر سے لرزنے لگی تھیں۔

"ایڈم!" وہ آگے کو جھکا اور ہاتھ باہم پھنسائے گردن اٹھائے اسے مسکرا کے دیکھا۔

"اگر تمہیں کبھی کسی انسان کی قابلیت کو ماپنا ہو تو پیمانہ اس جنگ کو نہ بنانا جو اس نے جیتی یا ہاری ہے بلکہ ہمارے کردار کا تعین تو وہ جنگیں کرتی ہیں جن کو لڑنے کی ہم ہمت کرتے ہیں۔ اگر تم جاننا چاہتے ہو کہ کوئی انسان کس مقام پہ کھڑا ہے تو دیکھو کہ اس کے خواب کیا ہیں۔ وہ کون سے مقاصد اور منزلیں پا لینا چاہتا ہے۔ انسان وہ ہوتا ہے جو اس کا سب سے بڑا خواب ہوتا ہے' بھلے وہ اس کو نہ بھی حاصل کر سکے۔ اور اگر ایک آدمی کا خواب اس ملک کے سب سے بڑے عہدے پہ پہنچنا ہے اور اپنے ملک کو ایشیا کا لیڈر بنانا ہے' اور وہ شخص اس خواب کے لئے آخری حد تک کوشش بھی کر رہا ہے تو وہ کچھ بھی ہو سکتا ہے' مگر بے وقوف نہیں۔"

ایڈم نے شل سے انداز میں سر ہلا دیا۔ سارے الفاظ ختم ہو گئے تھے۔

"سب کہتے ہیں کہ آپ ہر ایک پہ اعتبار کر لیتے ہیں۔"

"غلط نہیں کہتے۔"

"آپ نے مجھ سے ٹشو کیوں نہیں لیا سر؟ جبکہ آپ جانتے تھے کہ میں اسی کام کے لئے کھڑا تھا۔"

"ایڈم، تمہیں واقعی لگتا ہے کہ فاتح بن رامزل کسی پہ Depend کر سکتا ہے!" عجیب سی حیرت بھری مسکراہٹ کے ساتھ اس نے پھر سے عینک لگائی اور ڈائری کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ایڈم خاموشی سے باہر نکل گیا۔

وہ آج پہلی دفعہ فاتح رامزل سے ملا تھا اور اس کا دل ایک عجیب خوشگوار حیرت سے بھر گیا تھا۔ مگر پھر.... دل پہ ایک بوجھ سا آ گرا۔ گیارہ دن میں یہ ڈیوٹی ختم ہو جائے گی اور وہ کبھی اس سے یوں نہیں مل سکے گا۔ صرف گیارہ دن تھے اس کے پاس ملک کے سب سے بڑے Visionary (عالم) سے کچھ سیکھنے کے لئے۔

ظاہر ہے! ابھی وہ یہ تھوڑا ہی جانتا تھا کہ یہ گیارہ دن کبھی نہ ختم ہونے والے دن بننے جا رہے تھے۔

☆☆==========☆☆

اگلی دوپہر شہر پہ پھیلی تو سارا کے ایل سونے کے پانی میں نہا گیا اور گزشتہ روز کی بارش کی نمی کچھ دیر کے لیے کم ہو گئی۔ ایسے میں اس کالونی کے دونوں اطراف میں اونچے اونچے محل نما گھروں کی دو قطاریں بنی تھیں۔ تمام گھروں کے لان کشادہ تھے اور چار دیواری تین چار فٹ کی چھوٹی سی تھی۔ ان میں ایک فاتح رامزل کی رہائشگاہ بھی تھی جو چمکتے سورج تلے دہک رہی تھی۔

فاصلے پہ ایک درخت کی اوٹ میں ایک کار کھڑی تھی اور اس میں وہ دونوں بیٹھی نظر آ رہی تھیں۔ تالیہ نے سیاہ لباس اور سیاہ ٹوپی پہن رکھی تھی اور نظریں جھکائے گلوز ہاتھوں پہ چڑھا رہی تھی۔ داتن نے اسکارف چہرے کے گرد لپیٹ رکھا تھا اور بھدا سا کالا چشمہ لگائے ہوئے تھی۔ چہرہ موڑ کے تالیہ کی کارروائی دیکھتی رہی، پھر رہ نہ سکی۔ "دن دیہاڑے چوری زیادہ خطرناک نہیں ہو گی تالیہ؟"

تالیہ نے سیاہ آنکھیں اٹھا کے اسے گھورا۔ "تم واقعی بوڑھی ہو رہی ہو اس لئے بھول جاتی ہو کہ دنیا بھر میں 70% سے زائد چوریاں دن کے وقت ہوتی ہیں۔ ہم چور سیکیورٹی الارم یا کتوں سے اتنا نہیں ڈرتے جتنا گھر والوں سے ڈرتے ہیں۔ اور دوپہر میں سب عموماً کام پہ ہوتے ہیں.... خیر.... سب تیاری مکمل ہے نا؟" اس نے دوسرا گلو پہنتے ہوئے کسی لیڈر کی طرح پوچھا۔ داتن نے ٹھنڈی سانس بھری۔

"ہاں۔ کل میں نے ان کا گھر case کر لیا تھا۔ دوپہر کے وقت یہاں صرف تین گارڈز ہوتے ہیں اور ایک ملازمہ۔ کچھ عرصہ پہلے مسز عصرہ نے بہت سے ملازم فارغ کیے تھے۔ باقی گارڈز فاتح صاحب یا عصرہ صاحبہ کے ساتھ جاتے ہیں۔ میں نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ ان کا ہوم الارم سسٹم کون سا ہے۔"

"کاش تم ہیکر ہوتیں اور ہم اتنے تردد کرنے کی بجائے سیکیورٹی سسٹم کو صرف ہیک کر لیا کرتے۔"

اب کے داتن نے اسے گھورا تھا۔ "اول تو یہ کہ ہیکر بننا آسان نہیں ہوتا۔ دوسرا یہ کہ اس کی ضرورت بھی نہیں کیونکہ ایک بچہ بھی کسی کا ہوم الارم بند کر سکتا ہے۔ چند فٹ کے فاصلے سے بھی میں اس عام سے جیمر کا ایک بٹن دباؤں گی اور ان کا الارم جام ہو جائے گا۔"

"اور سیکیورٹی کیمرے؟"

"وہ وائی فائی پہ ہیں۔ میں دوسرے جیمر سے وائی فائی بھی جام کر دوں گی۔ پھر میں دروازے پہ جا کے فاتح رامزل کی ناراض ووٹر بن کے دھرنا دوں گی، چاروں ملازم اکٹھے ہو جائیں گے، اور مجھے بھگانے کی کوشش کریں گے۔ تم کونے سے دیوار پھلانگ کے اندر چلی جانا۔" پھر وہ ان گھروں کو دیکھ کر ٹھنڈی آہ بھر کے بولی۔ "کیا تمہیں ان امیر لوگوں پہ ترس نہیں آتا تالیہ۔ جو یہ تک نہیں جانتے کہ ان کی سیکیورٹی کمپنیز ابھی تک ۹۰ کی دہائی والی الارم ٹیکنالوجی استعمال کر رہی ہیں۔ یہ ان بے چاروں کے ساتھ کتنا بڑا دھوکہ ہے۔ میرا خیال ہے ہمیں یہاں ہر ایک گھر میں چوری کرنی چاہیے تا کہ ان کے الارم کی اصلیت کھول کے ان کے سامنے رکھی جائے۔ یہ ان پہ کتنا بڑا احسان ہو گا۔" مگر تالیہ نہیں ہنسی۔ اس کا ذہن بٹا ہوا تھا۔ ٹوپی سے بال اچھی طرح ڈھکے اور گلاسز آنکھوں پہ چڑھائے۔ پھر کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔ ایک ایک لمحہ پلان کے مطابق استعمال کرنا تھا۔ "میں تیار ہوں۔ سگنل جام کرو۔"

"گیانہ صابری کا اس کالونی پہ پہلا احسان، مگر یقیناً یہ آخری نہیں ہو گا۔" گیانہ عرف داتن نے بہت فیاضی سے بٹن دبا دیا۔ تالیہ کی نظریں گھر کے گیٹ پہ جمی تھیں جہاں سیکیورٹی گارڈ سیاہ سوٹ اور ٹائی میں ملبوس کھڑا فون پہ بات کر رہا تھا۔

"الارم، وائی فائی، سب ہو گئے جام۔ اب تم جا سکتی ہو۔ اور میں بھی۔" داتن دروازہ کھولنے لگی مگر تالیہ نے اس کے گھٹنے پہ ہاتھ رکھا۔ "ایک منٹ۔" اس کی چوکنی نظریں گارڈز پہ جمی تھیں۔

وہ کال کے دوران ایک دم فون کان سے ہٹا کر دیکھنے لگا، پھر جلدی سے اسے کان سے لگایا اور شاید الوداعی کلمات کہہ کر فون بند کیا۔ پھر اسکرین پہ انگلی پھیرتا اندر کو بھاگا۔

"کیا ہوا؟"

"کچھ غلط ہے، داتن۔" وہ سانس روکے، بنا پلکیں جھپکے دیکھ رہی تھی۔ جیسے ہی وہ اندر غائب ہوا، گھر کا الارم بجنے لگا۔ اگلے ہی لمحے وہ گارڈ دوسرے دو گارڈز کے ہمراہ باہر آتا دکھائی دیا۔ سب ادھر ادھر دیکھ رہے تھے۔ پستول نکال لیے تھے۔

"نکلو یہاں سے۔ جلدی۔" اس کا فقرہ مکمل ہی نہیں ہوا تھا کہ داتن نے گاڑی چلائی اور موڑ کاٹ لیا۔ وہ کالونی کے سرے پہ تھیں اس لئے گارڈز کی نگاہ نہیں پڑی تھی۔

"الارم کیسے بجا۔" داتن ہکا بکا تھی۔ یہ پہلی دفعہ ہوا تھا۔

"ان کے الارم سسٹم میں جامر سے بچاؤ کے لئے کوئی جامنگ Algorithm کا استعمال کیا گیا ہے۔ اگر کوئی سگنل جام کرنے کی کوشش کرے تو گارڈز کو ٹیکسٹ میسیج پہ الرٹ آ جائے گا اور پھر وہ خود اپنے ہاتھ سے الارم آن کر کے چور کی تلاش میں دوڑتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان امیر لوگوں کو تمہارے احسان کی ضرورت نہیں ہے گیانہ صابری۔"

"ہا۔" داتن نے منہ بھلا لیا۔ وہ شدید خفا نظر آ رہی تھی۔ "ہم نے ان کو انڈر راسٹیمیٹ کیا۔ اب ہم کیا کریں۔"

''ڈونٹ وری تالیہ کے پاس پلان ہی ہے۔'' وہ گلوز اتارتے ہوئے آرام سے بولی تھی۔ ڈرائیو کرتی داتن نے گھور کے اسے دیکھا۔ ''مگر ہم ان کا الارم نہیں بند کر سکتے۔ یعنی ہم ان کے گھر تب تک نہیں جا سکتے جب تک وہ خود ہمیں انوائیٹ نہ کریں۔''

''بالکل۔ اور اب وہ ہمیں خود انوائیٹ کریں گے۔'' اس نے ٹوپی اتاری اور بیگ میں پھینکی۔ سیاہ بال کس کے جوڑے میں بندھے نظر آ رہے تھے اور دھلا دھلایا نکھرا ہوا چہرہ گہری سوچ میں ڈوبا لگتا تھا۔

''مگر کیسے؟''

''جانتی ہو ایک بہترین Con Game کیسے کھیلی جاتی ہے؟ con کا لفظ کانفیڈینس سے ہوتا ہے۔ ہمیں دیکھنا ہوتا ہے کہ ہمارے شکار کو کس چیز پہ اعتماد ہے۔ اندھا اعتماد۔ مگر کچھ congames میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہمارا شکار کس چیز سے سب سے زیادہ ڈرتا ہے۔ اور تمہیں پتہ ہے لاہور اور ملائیشیا کے لوگ سب سے زیادہ کس سے ڈرتے ہیں؟''

''پولیس سے؟''

''نہیں، داتن۔ ڈینگی سے۔''

''رائٹ!'' داتن نے گہری سانس لے کر سر ہلایا تھا۔ "The dengue scam"

☆☆=========☆☆

اگلی صبح جب اس کالونی پہ اتری تو ایک لڑکی بائیسائیکل چلاتی سڑک پہ آتی دکھائی دی۔ اس نے ہاتھوں میں باریک دستانے چڑھا رکھے تھے، چہرے پہ سبز رنگ کا ڈسٹ ماسک تھا، اور سر پہ پی کیپ۔ سائیکل کی ٹوکری میں اخباروں کے رول پڑے تھے جن کو وہ ایک ایک کر کے ہر گھر میں اچھالتی جا رہی تھی۔ جیسے ہی وہ موڑ کاٹ کے غائب ہوئی، سڑک پہ پھر سے خاموشی چھا گئی۔

فاتح رامزل کے دروازے سے گارڈ نے اخبار کا رول کھولا تو وہ فلمی میگزین تھا۔ وہ صفحے پلٹاتے ہوئے اندر کی طرف چلا آیا اور رسالہ ملازمہ کی طرف بڑھا دیا جو اس نے لیتے ساتھ ہی ریک میں رکھ دیا کیونکہ ایسے بے کار رسالے گھر میں کوئی نہیں پڑھتا تھا مگر اخبار والے پھینک جایا کرتے تھے۔

ناشتے کے لئے ملازمہ جب تازہ بریڈ لینے باہر نکلی تو وہ نامحسوس انداز میں اپنی کلائی کھجا رہی تھی۔ وہ ہر صبح اس بیکری پہ تازہ بریڈ لینے آتی تھی۔ مگر آج وہ شدید کوفت میں نظر آ رہی تھی۔ ٹرالی میں روزمرہ کا سامان بھرتے ہوئے وہ کبھی ماتھے پہ خارش کرتی، کبھی گردن کی پشت کو رومال سے رگڑتی۔ سرخ ننھے ننھے دانے سے اس کی جلد پہ پھوٹ رہے تھے۔

''یہ بریڈ پکڑانا۔'' اس نے طبیعت پہ چھائی اکتاہٹ سے سامنے کھڑی موٹی سیاہ عورت کو مخاطب کیا جو آواز پہ پلٹی، اور پھر بریڈ کا پیکٹ اٹھا کے اس کی طرف آئی مگر اس کی جلد دیکھ کے منہ کھلا رہ گیا۔ پیکٹ ٹرالی میں قریباً پھینکا اور خود بدک کے دو قدم پیچھے ہٹی۔

''مجھ سے دور رہو۔ تمہیں تو ڈینگی ہو رہا ہے۔''

"ڈینگی؟" ملازمہ شل رہ گئی۔ پھر ادھر ادھر دیکھا۔ عورت اب آگے بڑھ گئی تھی' کسی اور نے نہیں سنا تھا۔ وہ سر جھٹکتی ٹرالی دھکیلتی گئی۔ البتہ چہرے پہ پریشانی کے آثار دکھائی دیتے تھے۔

"ان نقلی Symptoms کو اترنے میں کتنی دیر لگے گی تالیہ؟" فاتح رامزل کے گھر سے دو گلیاں چھوڑ کے ایک پارک آتا تھا۔ اس کے سرے پہ ایک بنچ پہ تالیہ بیٹھی پیکٹ سے چپس نکال نکال کے کھا رہی تھی' جب ہانپتی کانپتی داتن اس کے ساتھ آ کر بیٹھی۔ ان دونوں نے اوپر تک عبایا پہن رکھا تھا جس میں سے صرف چہرہ دِکھتا تھا اور نیچے ڈھیلا ڈھالا سا لباس تھا۔

"ایک دن' مگر بے فکر رہو۔ آدھی بیماری اللہ دیتا ہے تو باقی آدمی گوگل لگا دیتا ہے۔ جب یہ ڈینگی کو نیٹ پہ سرچ کرے گی تو دو چار مزید علامات بھی ظاہر ہونے لگیں گی جو ہمارے الرجک اسپرے کا حصہ ہی نہیں تھیں۔"

ملازمہ جس وقت ڈائننگ ٹیبل پہ ناشتہ سرو کر رہی تھی' اس کا جسم بخار سے ٹوٹ رہا تھا' سر دکھ رہا تھا' اور جلد پہ سرخ دھبے ظاہر ہو رہے تھے۔ وہ موبائل پہ ڈینگی کو سرچ کر چکی تھی اور اسے لگ رہا تھا کہ وہ مرنے والی ہے۔ خاموشی سے اس نے ناشتہ عصرہ کے سامنے لا رکھا جو گہرے نیلے اسکرٹ بلاؤز میں ملبوس' گیلری جانے کے لیے تیار بیٹھی تھی۔ گردن سے چپکی موتیوں کی لڑی اور کلائی میں طلائی بریسلیٹ پہنے' وہ سیل فون دیکھ رہی تھی جب کسی احساس کے تحت چونکی۔

"تمہیں کیا ہوا؟"

"میم مجھے شاید ڈینگی ہو گیا ہے۔"

"واٹ؟" عصرہ کی آنکھیں کھل گئیں۔ "کیسے؟ کب؟ گاڈ تم لوگ اپنے گھروں میں پانی کیوں جمع رکھتے ہو؟"

"میم' میرا قصور نہیں ہے۔ حسن کو بھی ایسے ہی دانے نکل رہے ہیں۔" وہ منمنائی۔

"گاڈ۔" عصرہ نے کنپٹی کو چھوا۔ "چیک اپ کرواؤ اپنا۔ اور حسن سے بھی کہو۔ سیج' تم بچوں کا خیال رکھنا۔ اور گھر کی صفائی اپنی نگرانی میں کرواؤ۔ اور آج خیال آیا تمہیں یہ بتانے کا؟ ریش تو ہفتے بھر کے بعد جا کے ہوتی ہے۔" اس کا ناشتہ حرام ہو چکا تھا۔

"جی میم' بخار تو تھا کچھ دن سے۔" اسے سوچ کے ہی تھکاوٹ ہونے لگی۔

پارک میں وہ ابھی تک اسی طرح بیٹھی تھیں۔ تالیہ مسلسل چپس کھا رہی تھی۔ داتن بار بار گھڑی دیکھ رہی تھی۔

"کتنا انتظار کرنا ہے مزید؟"

"چند منٹ مزید۔" وہ مسکرا کے بولی تھی۔ "مسز فاتح اب تک پیسٹ کنٹرول فون کر چکی ہوں گی۔"

چند منٹ گزرے اور پیسٹ کنٹرول کی ایک بڑی سی وین قریب سے گزری۔ تالیہ نے گردن موڑ کے دیکھا۔ سیاہ حجاب کے ہالے میں اس کا چہرہ دمک رہا تھا اور لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔ وین کی ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھے چینی نوجوان نے اسے دیکھ کے صرف سر کو خم دیا اور وین روک لی۔ "چلو۔" وہ تیزی سے اٹھی۔ آگے پیچھے دونوں وین کی طرف بڑھی تھیں۔

وین کی پچھلی طرف سوار ہو کر انہوں نے اپنے تنگ اتار دیے۔ نیچے دونوں نے پیسٹ کنٹرول کا زرد یونیفارم پہن رکھا تھا۔ تالیہ نے اپنے بیگ سے ٹوپیاں اور ماسک نکال کے داتن کی طرف بڑھائیں۔ پچھلی طرف ایک ہی ورکر بیٹھا تھا جوان سے واقف لگتا تھا اس لیے جلدی جلدی ان کو سلینڈر اور دوسری چیزیں تھمانے لگا۔

"کوئی گڑبڑ نہیں ہونی چاہیے کیتھ۔" داتن نے رعب دار آواز میں اسے گھورا تھا۔

"یہ تیسرا اسکام ہے جو سا شا میں اور آپ کر رہے ہیں۔ پہلے کبھی گڑبڑ ہوئی تھی کیا؟ ہم پیسٹ کنٹرول میں نوکری ہی اس لیے کرتے ہیں تا کہ ڈینگی اسکام کر سکیں۔ اگر ہماری جگہ آپ جعلی ورکرز لے کر جاتیں تو بعد میں بھانڈا پھوٹ جاتا۔ اب ہمارا سارا کام لیگل ہے۔" وہ برا مان کے بولا تھا۔

"اور سنو....." داتن کہنے لگی تو تالیہ نے دبی آواز میں اسے ٹوکا۔

"زیادہ باتیں نہیں کرو اس سے موٹی!"

"شرم کرو۔ میں تمہاری ماں کی عمر کی ہوں۔"

"غلط۔ تم میری دادی کی عمر کی ہو۔"

چند منٹ بعد فاتح رامزل کے لان میں ورکرز اسپرے کرتے نظر آرہے تھے۔ عصرہ با دل نخواستہ رک گئی تھی مگر کار میں بیٹھی تھی۔ ملازم نگرانی پہ کھڑے تھے۔ ورکرز کا ہیڈ آصف اونچی اونچی ہدایات دے رہا تھا۔ سارے میں گھنی دھند پھیلی تھی۔ داتن لاؤنج میں اسپرے کروا رہی تھی۔ ایسے میں سب کو مصروف پا کر تالیہ دھند میں فاگ گلاسز کی مدد سے دیکھتی آگے چلتی آئی۔ وائی فائی جام کر دیا تھا اور ہوم الارم گارڈز نے خود ہی آف کر دیا تھا۔

"کہا تھا نا وہ ہمیں خود دعوت دیں گے اب۔" تالیہ کان میں لگے ننھے سے آلے میں بولی۔ ایسا ہی ایک آلہ داتن کے کان میں بھی لگا تھا۔ اس نے لاؤنج کے پرلے کونے سے اسے اشارہ کیا۔ کوئی اس طرف متوجہ نہیں تھا۔ تالیہ تیزی سے بیڈروم میں گھس آئی۔

اندر آ کے اس نے گلاسز اتارے اور گردن گھما کے اطراف کا جائزہ لیا۔ سادہ کمرہ۔ سادہ پردے۔ خالی دیواریں۔ بیڈ سائیڈ ٹیبل پہ رکھی ایک ننھی بچی کی تصویر اور ساتھ میں مسکراتا فاتح۔ تالیہ آگے آئی اور ڈریسنگ روم کی الماریاں کھولیں۔ مردانہ کپڑے ٹنگے تھے۔ یہ فاتح رامزل کا کمرہ تھا۔

"بریسلیٹ تو مسز فاتح کلائی میں پہنے رکھتی ہیں مگر ایک اینٹیک تحفہ انہوں نے یقیناً الماری یا لاکر میں رکھا ہوگا۔"

"مگر تالیہ تم تو کہہ رہی تھی کہ فاتح نے تنکو کامل کے بیٹے کے منہ پہ کہہ دیا تھا کہ وہ سکہ اصلی نہیں ہے۔"

"ہاں اصلی نہ سہی قدیم تو ہے نا۔ کوئی اینٹیک ایسے پھینک تو نہیں دیتا اور مسز عصرہ جیسی آرٹ کلیکٹر تو بالکل بھی نہیں۔"

اب وہ جلدی جلدی دراز کھول رہی تھی۔ مختلف خانے چیک کیے۔ پھر آخری الماری کھولی تو دیکھا' سامنے کونے میں ننھا سا سیف نصب

تھا۔سیف کی ہیئت دیکھ کر وہ مسکرا دی۔

''آج ہمارا اچھا دن ہے'بڑھیا۔'' کان میں لگے آلے میں وہ بولی۔''کیونکہ اتنے بڑے لیڈر نے اپنی قیمتی چیزوں کو چھپانے کے لئے صرف ایک فائر سیف کا سہارا لیا ہے۔''

''کیا؟فائر سیف؟''دروازے کے باہر کھڑی داتن نے حیرت سے سرگوشی کی۔پھر اندر آتے ملازم کو دیکھا تو اس پہ برس پڑی۔

''تم بغیر ماسک کے اندر کیا آرہے ہو؟ کینسر کروانا ہے؟ پھیپھڑے خراب کروانے ہیں؟جانتے ہو یہ کیمیکل کتنے نقصان دہ ہیں۔ماسک پہن کر آؤ۔''ملازم ہڑبڑا کے باہر بھاگا۔

''میرے کان میں مت چیخو۔''اندر سیف کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھتی تالیہ نے برا منہ بنایا پھر اپنا ننھا بیگ زمین پہ رکھا۔

(تجوریاں مختلف طرح کی ہوتی ہیں۔فائر سیف وہ تجوری ہوتی ہے جو اگر گھر کو آگ لگ جائے اور تجوری دو تین گھنٹے جلتی بھی رہے تو اندر کی چیزیں محفوظ رہتی ہیں۔ایسی تجوریوں میں لوگ قیمتی کاغذات رکھتے ہیں'اور ان کو کھولنا آسان ہوتا ہے۔دوسری قسم کی تجوریاں جو زیورات یا رقم کے لئے ہوتی ہیں ان کو برگلری سیف (چوروں کی تجوری) کہا جاتا ہے۔جلتی یہ بھی نہیں ہیں'مگر چوروں کے لئے ان کو کھولنا بہت کٹھن ہوتا ہے۔)

''تم مقناطیس لائی ہو؟''داتن نے دبی سرگوشی میں کہا۔

''تالیہ سارا زادِ راہ ساتھ اٹھاتی ہے میڈم۔''اس نے مسکرا کے بیگ سے ایک سلور رنگ کا گول ہاکی پٹ رئیر ارتھ میگنٹ نکالا (وہ ایسا تھا جیسے دو شامی کبابوں کو اوپر تلے ملا کے رکھا گیا ہو) اور اس کو ایک جراب میں ڈالا۔(اگر ڈائریکٹ مقناطیس لوہے پہ رکھ دیتی اور اس کی انگلی درمیان میں آجاتی تو وہ وہیں چپکی پڑی ہوتی۔) پھر جراب میں لپٹے مقناطیس کو تجوری کے دروازے کے اوپری بائیں کونے پہ رکھا۔

''یہ سب سے پہلا سیف ہے'جس کو کھولنا سیکھا تھا میں نے داتن۔''وہ مسکرا کے بتانے لگی۔''اس کے اندر جو کنڈا دروازے کے لاک کو جوڑے ہوئے ہے...وہ مقناطیس کے ساتھ چپک جاتا ہے۔یوں...اور...''اس نے مقناطیس آہستہ سے دائیں طرف پھیرا تو دروازے کے دوسری طرف کنڈا ہلنے لگا۔چند سیکنڈ مزید لگے اور کلک کی آواز آئی۔تالیہ نے تجوری پہ نصب پاسورڈ پیڈ کو زبان نکال کے دکھائی (ہاہا.....جب مقناطیس ہے میرے پاس تو تمہارے پاسورڈ کو دبانے کی ضرورت کیا ہے۔)اور مزے سے دروازہ کھولا۔وہ کھل گیا۔

''فاتح رامزل کے فرشتوں کو بھی نہیں علم ہوگا کہ کسی نے تجوری کھولی تھی۔''مسکرا کے اب وہ کاغذات باہر نکالنے لگی۔پھر اندر ہاتھ مارا۔مسکراہٹ غائب ہوئی۔وہاں کچھ رقم'پاسپورٹ'کاغذات وغیرہ کے سوا کچھ نہ تھا۔تالیہ کا چہرہ اتر گیا۔

تجوری بند کر کے اٹھی اور کھلی الماری کو دیکھا۔پھر بھنویں سکوڑیں۔صرف مردانہ کپڑے'ٹائی'کوٹ؟یہ صرف فاتح کا کمرہ ہے کیا؟وہ چونکی۔پھر جلدی سے سب کچھ ٹھیک کر کے باہر آئی۔

لاؤنج میں ورکرز اسی طرح کام کر رہے تھے۔گہری دھند ہر سو پھیلی تھی۔داتن کو اشارہ کرتی وہ دوسرے ماسٹر بیڈروم میں چپکے سے داخل

ہوئی (دو ملازم سامنے ہی تھے مگر دھند کے باعث اس کو نہیں دیکھ سکتے تھے)۔

واہ....کیا عالیشان کمرہ تھا عصرہ کا۔ اونچے مخملیں پردے...قیمتی پینٹنگز اور آرٹ ورک....ڈریسنگ ٹیبل پہ سجی پرفیوم کی بوتلیں....ستائشی انداز میں ادھر ادھر دیکھتی وہ سنگھار میز تک آئی اور دراز کھولے۔ پھر وارڈروب کھولا۔ کوئی سیف نہیں تھا۔ بیڈ سائیڈ ٹیبل چیک کی مگر بے سود۔ ٹھہرو، وہاں ایک ریموٹ پڑا تھا۔ یہ بلائنڈز کے ریموٹ جیسا تھا۔ اے سی کا تو نہیں تھا۔ تالیہ نے ریموٹ ایک پینٹنگ کی طرف بلند کیا اور بٹن دبایا۔ پینٹنگ آہستہ سے دائیں طرف ہٹی اور دیوار میں خانہ نظر آنے لگا۔ اندر یقیناً سیف تھا۔ وہ مسکرائی اور آگے بڑھی، مگر جیسے ہی وہ قریب آئی، مسکراہٹ پھیکی پڑی۔ دل دھک سے رہ گیا۔

''جلدی کرو تالیہ۔'' داتن اس کے کان میں شور ڈالے ہوئی تھی۔

''داتن!'' اس کو اپنی آواز گہری کھائی سے آتی سنائی دی۔ ''سیف مل گیا ہے مگر...مگر یہ TL30 سیف ہے۔ گروپ ۲ کمبینیشن لاک...'' اس نے دروازے پہ لگے پہیے کو چھوا۔ ''اگر اس میں ڈرل سے سوراخ کروں تو دروازے کے اندر شیشے کی تہہ ٹوٹ کر اس کو مزید مشکل طریقے سے لاک کر دے گی۔ مکے ماروں تو اسپرنگ دی لاک ہو جائے گا۔ آری سے کاٹوں تو ایک گھنٹے بعد دروازہ کٹے گا۔''

''فلموں میں تو لوگ ایک منٹ میں کھول لیتے ہیں تالیہ۔''

''شاید دو چار ایسے ایکسپرٹ ہوں دنیا میں لیکن اگر میں لاک کو گھما کر اندر pins کی آواز سنتے ہوئے اس کا پاسورڈ کمبینیشن معلوم کرنے کی کوشش کروں تو اس میں کم از کم منٹ لگیں گے۔ سوا گھنٹہ۔''

''اتنا وقت نہیں ہے ہمارے پاس۔''

''تو پھر....'' تالیہ نے رک کر حسرت بھری نگاہ سے سیف کو دیکھا اور چند قدم پیچھے ہٹی۔ ''پھر بھاگو داتن۔ میں تم سے گاڑی میں ملتی ہوں۔''

داتن تیزی سے باہر کو نکلی۔ چہرہ جھکائے دھند میں چلتی وہ گھر سے باہر نکل آئی اور سڑک پار کی۔ پارک تک آئی۔ ان کی کار وہیں کھڑی تھی۔ داتن نے بیٹھتے ہی اپنا ماسک اتارا اور ادھر ادھر دیکھا۔ تالیہ ابھی تک نہیں آئی تھی۔ وہ کچھ دیر انتظار کرتی رہی۔

''تالیہ۔ کدھر ہو۔'' اسے فکر ہوئی۔ تالیہ کی پھنسی پھنسی سی آواز سنائی دی۔

''داتن....وہ ملازم آ گیا تو میں الماری میں چھپ گئی۔ وہ مجھے الماری میں لاک کر گیا ہے۔'' داتن کے پیروں تلے سے زمین نکلنے لگی۔

''تالیہ....تالیہ....یہ کیسے ہوا۔''

''داتن....مجھے نکالو۔ میرا دم گھٹ رہا ہے۔ اوہ میں کیا کروں۔''

''تم پریشان نہ ہو۔ میں کچھ کرتی ہوں۔'' داتن کو ٹھنڈے پسینے آنے لگے تھے۔

''داتن....مجھے نکالو....مجھے سانس نہیں آ رہا۔ او خدایا پلیز مجھے بچا لیں....میرا دمہ خراب ہو رہا ہے۔''

"تالیہ.... میری بچی تم...." داتن کی آنکھوں میں آنسو آ گئے' وہ جلدی سے ماسک پہننے لگی پھر رکی۔ "تمہیں کب سے دمہ ہوا۔"

"دو منٹ پہلے سے!" وہ اس کے کان کے اتنا قریب چیخی کہ داتن اچھل پڑی۔

تالیہ ہنستی ہوئی دروازہ کھول کے اندر بیٹھ رہی تھی۔ داتن کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔ اعصاب شل تھے۔ چند لمحے گزرے اور اس کی رنگت سرخ پڑنے لگی۔ "تم!" غصے کے مارے وہ بول نہیں پا رہی تھی۔

"ہاہاہا...." اور وہ ہنستی جا رہی تھی۔ "میں الماری میں پھنس سکتی ہوں کیا؟ ہاہا.... تم تو رونے والی ہو گئی تھیں۔ اُف تم کتنی کیوٹ ہو داتن پدوکا۔" اس نے موٹی عورت کے سیاہ پھولے گال کی چٹکی کاٹی۔

داتن نے غصے سے آنکھیں رگڑیں اور بے بسی سے اسے دیکھا۔ "تم.... تم چھوٹی ہرنی.... تم نے مجھے کتنا ڈرا دیا اندازہ ہے تمہیں؟ کسی دن سچ میں پھنسو گی اور میں نہیں آؤں گی' کن چیل (کہانیوں والا چھوٹا ہرن)۔"

"اچھانا.... ڈانٹو تو نہیں۔" وہ ٹوپی اتارتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ داتن نے ہونہہ کہہ کے کار اسٹارٹ کی۔ "اب کیا ہوگا؟ پلان اے کے بعد پلان سی بھی بے کار ہو گیا۔"

"بے فکر رہو۔ پلان ڈی ہے نا۔" پھر اس نے جیب سے ایک سرخ اور گلابی کارڈ لہرا کے دکھایا۔ "مجھے دیر اس لئے ہوئی کیونکہ میں مسز عصرہ کی نیلامی میں اپنا زبردستی والا انویٹیشن کارڈ اٹھانے رک گئی تھی۔ یہی ہے ہمارا پلان ڈی۔"

"اور پلان بی کا کیا؟" داتن کو سخت چڑ ہوئی۔

"تالیہ کے پلانز ہیں' تالیہ کی مرضی۔" اس نے بے نیازی سے شانے اچکائے۔

"اور اگر..... ملازمہ نے چیک اپ کے بعد بتایا کہ اس کو ڈینگی نہیں ہوا تو عصرہ کو شک نہیں ہوگا؟" داتن ابھی تک غصے سے اس کی غلطی نکالنا چاہ رہی تھی۔

"ابھی دنیا میں ملازموں کی وہ قسم پیدا نہیں ہوئی داتن جو مالک کو کہے کہ وہ بیمار نہیں ہے۔ تمہیں کیا لگتا ہے' وہ سب سچ سچ بتا کے چھٹی اور مالی امداد لینے کا اتنا اچھا موقع گنوا دے گی؟" داتن کا غصہ ہوا ہونے لگا۔ ڈرائیو کرتے ہوئے اس نے ایک گہری سانس لے کر تالیہ کو دیکھا۔

"اس وقت مجھے بہت بری لگ رہی ہو تم لیکن ایک بات ہے..... تم کبھی بھی مایوس نہیں ہوتی' ہار نہیں مانتی۔ ایک پلان ٹھپ ہوئے تو دوسرا لے آتی ہو۔ اتنی ہمت کہاں سے لاتی ہو تم تالیہ؟"

"پتلے اور جوان لوگوں میں بڑی ہمت ہوتی ہے' بڑھیا۔ مگر تم کیا جانو۔" وہ افسوس سے بولی تھی اور داتن نے چند منٹ کے لیے اس سے بات نہ کرنے کی قسم اٹھائی تھی۔

☆☆========☆☆

کے ایل پہ اس دوپہر پھر سے سیاہ بادل چھا گئے تھے۔ بارش کے موٹے موٹے قطرے ایک دم سے برسنا شروع ہوئے اور ساری

سڑکیں جل تھل ہوتی گئیں۔بازاروں میں پھرتے لوگوں نے چھتریاں تان لیں' اور سائبان کی طرف دوڑے۔ایسے میں آفس کا دروازہ کھول کے ایڈم داخل ہوا۔اس کے ہاتھ میں ٹرے تھی جس میں کافی کا گلاس بند ڈھکن اور اسٹرا سے لیس رکھا تھا۔

آفس میں مدھم بتیاں جل رہی تھیں۔بلائنڈز سختی سے بند تھے۔فاتح کنٹرول چیئر پہ بیٹھا تھا۔قدرے تکان زدہ' پیچھے کو ٹیک لگائے' ٹائی ڈھیلی کر کے سفید شرٹ کی آستین پیچھے کو موڑے۔وہ سنجیدہ لگتا تھا۔سامنے ایک سفید بالوں والے صاحب بیٹھے تھے۔یہاں سے ایڈم کو ان کی پشت نظر آ رہی تھی۔وہ کھنکھارتا ہوا میز تک آیا۔مہمان کا چہرہ واضح ہوا۔وہ فاتح کے ساتھ محو گفتگو تھے۔عبدالطیف۔ٹی وی پہ اس نے ان کو دیکھ رکھا تھا۔نامور سیاستدان اور کاروباری شخصیت۔ایک چور نظر ان پہ ڈالے سنجیدگی سے ایڈم نے میز پہ ٹرے رکھی۔(مہمان کی چائے آئی رکھی تھی۔یہ فاتح کی کافی تھی جو وہ مال میں ایک خاص شاپ سے لایا تھا۔وہ اس کے علاوہ کہیں کی کافی نہیں پیتا تھا۔)

''اس کو فکس کرو۔'' وہ کافی رکھ کے مڑنے ہی والا تھا کہ فاتح نے انگلی سے اشارہ کیا۔ایڈم نے چونک کے اس طرف دیکھا۔ایک آفس کیبنٹ کا دروازہ گرا پڑا تھا۔دروازے کا جوڑ' قبضہ وغیرہ' سب اکھڑ گئے تھے۔

''رائٹ سر!'' وہ آگے بڑھا' پھر رکا۔ادھر ادھر دیکھا۔پھر فاتح کی طرف گھوما۔''میخ اور ہتھوڑا ہو گا ادھر سر؟''

وہ جو الجھن اور اکتاہٹ سے گفتگو شروع کرنے جا رہا تھا' اس سوال پہ ایک نظر اٹھا کے ایڈم کو دیکھا اور پھر واپس مہمان کی طرف متوجہ ہوا۔وہ ایک سخت نظر ایڈم پہ گھڑوں پانی ڈال گئی۔وہ تیزی سے باہر لپکا۔فاتح کے سیکرٹری سے ہتھوڑا مانگا۔وہاں نہیں تھا۔کسی نے بتایا کچن میں دیکھے۔وہ ادھر بھاگا۔بہرحال تھوڑی تگ و دو بعد وہ میخیں' اور پیچ کس لئے آفس میں دوبارہ داخل ہوا اور باس سے نظر ملائے بغیر ٹوٹی کیبنٹ تک آیا اور پنجوں کے بل اس کے سامنے بیٹھا۔

''ایش نے تمہیں پھنسا دیا ہے فاتح۔اب تم کیا کرو گے؟'' انکھیوں سے وہ دیکھ سکتا تھا کہ عبدالطیف صاحب فکرمندی سے کہہ رہے تھے۔وہ جواب میں کچھ نہیں بولا۔خاموشی سے ایک ہاتھ گال تلے رکھے' کھڑکی کو دیکھتا رہا۔

''ہار مان جاؤ گے؟ صرف پیسوں کے پیچھے؟ ہم پولیٹیکل فنڈ ریزنگ کر سکتے ہیں۔عوام تمہارے ساتھ ہوں گے۔بارلیسن نیشنل کے ڈھائی لاکھ ممبرز کو ہم اپروچ کر سکتے ہیں۔تم پارٹی چیئر مین منتخب ہو سکتے ہو۔''

''ایک آدمی تھا عرب میں۔'' وہ گہری سانس لے کر عبدالطیف کی طرف چہرہ گھما کے کہنے لگا۔آواز آہستہ اور تکان زدہ تھی۔(ایڈم دھیرے دھیرے پیچ کسنے لگا۔سر جھکائے' سنجیدہ صورت بنائے مگر کان گفتگو پہ لگائے ہوئے۔)''مالدار' عزت دار' باوقار۔اس کا نام عمرو تھا۔وہ لوگوں کے ساتھ بہت اچھا تھا۔کعبہ آنے والے حاجیوں کے لئے شوربے میں روٹی توڑ توڑ کے رکھ چھوڑتا جس کو سب کھاتے اور اسے دعائیں دیتے تھے۔اس سے لوگوں نے اس کا نام ہاشم رکھ دیا۔روٹی توڑنے والا۔جو لوگ دوسروں کی مدد کرتے ہیں اور اخلاق کے اچھے ہوتے ہیں انہیں ایک دنیا اچھے ناموں سے یاد رکھتی ہے.....''

ایڈم پیچ قبضے پہ جمائے آہستہ سا سے اوزار سے کس رہا تھا۔دھیان وہیں تھا۔

"ہاشم ایک دفعہ ملک شام گیا تو راستے میں مدینہ میں اس نے ایک خاتون سے شادی کر لی۔ کچھ دن وہاں ٹھہرا' اور پھر شام چلا گیا۔ اس سفر میں اس کا انتقال ہو گیا۔ پیچھے سے بیوی کے ہاں بیٹا پیدا ہوا مگر ہاشم کے خاندان والے اس شادی سے واقف نہیں تھے تو بچہ ماں کے پاس پلتا رہا۔ اس کے بال بالکل سفید سے تھے' بلونڈ سنہرے جیسے۔ اس لئے اس کا نام شیبہ (سفید بالوں والا) رکھا گیا۔ شیبہ دس بارہ سال کا ہوا تو ہاشم کے بھائی مطلب کو اس کا علم ہوا۔ مطلب کے لئے یہ ایک جذباتی دھچکا تھا۔ وہ فوراً مدینہ گیا اور بھتیجے کو اس کی ماں سے اصرار کے ساتھ اپنے ساتھ لے آیا۔

"عرب میں لوگ سفر سے واپسی پہ نوجوان غلام خرید کے ساتھ لایا کرتے تھے۔ مطلب جس وقت شیبہ کے ساتھ مکہ میں داخل ہوا تو لوگوں نے سمجھا کہ وہ نیا غلام خرید کر لایا ہے تو وہ اس لڑکے کو "عبدالمطلب" پکارنے لگے۔ یعنی مطلب کا غلام۔ مطلب نے کلیئر کر دیا کہ یہ میرا بھتیجا ہے مگر شیبہ کا نام اس دن سے عبدالمطلب پڑ گیا اور آج تک ہم ان کو اسی نام سے جانتے ہیں۔ مگر میں تمہیں یہ قصہ کیوں سنا رہا ہوں؟ ٹھہرو....' عبداللطیف صاحب نے پہلو بدلا تو فاتح نے ہاتھ سے اشارہ کر کے انہیں ٹھہرنے کو کہا اور اسی سنجیدگی سے بات جاری رکھی ۔ ایڈم کے کان بھی وہیں لگے تھے۔

"عبدالمطلب مکہ کے اعلیٰ اور معزز خاندان میں سے تھے۔ اگر تم ان لوگوں کی تاریخ پڑھو تو دیکھو گے کہ یہ بہت اونچے اخلاق کے عظیم لوگ تھے۔ باوقار' بہادر اور جری۔ یہ ہماری طرح چھوٹے چھوٹے مفادات کے پیچھے بڑے بڑے سمجھوتے نہیں کرتے تھے۔ یہ دولت اور قیمتی چیزوں کے انبار اپنے گرد لگا کے خود کو ان کا غلام نہیں بناتے تھے۔ بھلے یہ مسلمان نہیں تھے' مگر اس وقت کوئی نبی موجود نہیں تھا اسلئے ان کا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے' مگر عبداللطیف یہ آزاد لوگ تھے۔ یہ اپنے جذبات اپنی آستین پہ پہن کے رکھتے تھے۔ عبدالمطلب کی مکہ میں بہت عزت اور ناموری تھی۔ وہ بہت اچھے انسان تھے۔ خوبصورت' نڈر اور دل کے سچے۔ ان کو ایک رات خواب میں کسی کی آواز آئی کہ زم زم کا کنواں کھودو۔ وہ اٹھے تو دیکھا وہاں کوئی نہیں تھا۔ وہ اکیلے تھے۔" وہ سانس لینے کو ٹھہرا۔ ایڈم کے ہاتھ رک چکے تھے۔ وہ بالکل دم سادھے سن رہا تھا۔ گردن کے پیچھے کے بال کھڑے ہو چکے تھے۔

"زم زم کا کنواں کئی صدیاں پہلے بنو جرہم نے مکہ چھوڑتے وقت دفن کر دیا تھا' اور ساتھ انہوں نے کعبہ کے سونے کے دو ہرن' قدیم تلواریں زرہیں وغیرہ بھی اس میں دفن کی تھیں۔ یہ سب نیشنل ٹریژر تھا۔ مگر عبدالمطلب کو سمجھ نہیں آ سکا کہ وہ اس کو کیسے کھودیں۔ اگلی رات انہوں نے پھر خواب میں دیکھا کہ کوئی ان سے کہہ رہا ہے' زم زم کا کنواں کھودو۔ تم اسے کھود کے نہیں پچھتاؤ گے۔ یہ تمہارے آباؤ اجداد کی طرف سے تمہارا تحفہ ہے۔ یہ نہ کبھی سوکھے گا نہ اس کا پانی کم ہوگا۔ یہ حاجیوں کی پیاس بجھانے کو کافی ہوگا۔ عبدالمطلب نے پوچھا کہ یہ کہاں ہے تو جواب ملا' ٹیلے کے پاس جہاں کوا چونچ سے زمین پہ دستک دے رہا ہے۔ اگلی صبح وہ اپنے اکلوتے بیٹے حارث کے ساتھ کعبہ کی طرف گئے۔ قریبی ٹیلے پہ ایک کوا اڑتا ہوا آیا اور زمین پہ چونچ رگڑنے لگا۔ دونوں باپ بیٹے نے کدالیں تھامیں اور اس جگہ کو کھودنے لگے۔ یوں صدیوں سے دفن کنواں دریافت ہو گیا۔ خزانہ بھی مل گیا' مگر دوسرے لوگ اکٹھے ہونے لگے۔ انہوں نے کہا کہ اس میں ہمارا بھی حصہ ہے

مگر عبدالمطلب کا کہنا تھا کہ یہ ہمارا ہے' اسے ہم نے ڈھونڈا ہے۔ وہ لوگ لڑائی کے لئے تیار ہو گئے۔ عبدالمطلب وہاں اکیلے تھے' اور ان کا ایک ہی بیٹا تھا۔ اس وقت ان کو اپنا آپ بہت کمزور لگا اور گو کہ بعد میں ان کو سارا خزانہ اور کنویں میں سے حصہ مل ہی گیا لیکن اس موقع پہ انہوں نے دعا مانگی تھی کہ اگر اللہ مجھے دس بیٹے دے تو میں ایک کو کعبے کے پاس قربان کر دوں گا۔ ان کے مرتبے کا سردار' ایک بہادر آدمی' ایک جرات مند لیڈر' وہ صرف ایک چیز کے بل بوتے پہ ان کا مقابلہ کر سکتا تھا۔ اپنے خاندان کی طاقت۔ اور کچھ نہیں۔ ہم تب تک کسی جنگ میں نہیں جا سکتے عبدالطیف جب تک ہمارا خاندان ہمارے ساتھ نہ کھڑا ہو۔ اگر ہم ان کو کنوینس نہ کر سکیں کہ ہم جیت سکتے ہیں.. اگر وہ ساتھ چھوڑ دیں تو چیزیں زیادہ مشکل ہو جاتی ہیں۔'' اس کی آواز میں تکلیف سمٹ آئی تھی۔ ایڈم ہا لکل شل سا بیٹھا تھا۔ اس نے باس کو اتنے دکھ سے بات کرتے پہلی دفعہ سنا تھا۔ ''میں اس انتخاب میں تب تک نہیں جا سکتا جب تک عصرہ اور بچے میرے ساتھ نہ ہوں۔ میں پیسے کی کمی سے نہیں ڈرتا۔ لیکن اتنے سال میں نے ملے زیا کے لئے جدوجہد کی' دکھ اٹھائے' قربانیاں دیں'' (اس نے ایک نظر اس فوٹو فریم پہ ڈالی جو میز پہ رکھا تھا۔ ننھی سی مسکراتی بچی۔ فاتح کی آنکھوں میں تکلیف ابھری۔) ''ہر بات کے اختتام پہ میں یہی سوچتا تھا کہ کبھی تو اللہ مجھے ہر چیز کے لئے Compensate کرے گا۔ لیکن اب ایش چاہتا ہے کہ میں اپنے خواب سے دستبردار ہو جاؤں۔ تو کیا وہ اتنے سال بے مصرف گئے؟ ان ساری قربانیوں کو میں ضائع کر دوں؟ خواب تو بچوں کی طرح ہوتے ہیں۔ ہم ان کو اپنے ساتھ بڑا کرتے ہیں' لیکن میرے خواب شاید بوڑھے ہو گئے ہیں۔''

ایڈم نے آخری پیچ کسا اور سامان اٹھا کے اٹھ گیا۔ دروازے کھولتے ہوئے اس نے سنا کہ عبدالطیف کہہ رہے تھے۔ ''عصرہ کو کنوینس کیا جا سکتا ہے۔ میں اگر...'' اس نے باہر آ کر دروازہ بند کیا تو آوازوں کا رستہ رک گیا۔ وہ وہیں سیکرٹری کے کیبن کے آگے منتظر افراد کے پیچھے صوفے پہ بیٹھا اور موبائل نکال کے اپنی ماں کو کال ملائی۔ جیسے ہی اس نے فون اٹھایا' ایڈم گہری سانس لے کر' نظریں جھکائے کہنے لگا۔

''تم صحیح کہتی تھی ماں۔ مجھے فاتح رامزل کی دل سے خدمت کرنی ہے۔ وفاداری' سچائی اور امانت کا آج کل کوئی مول نہیں ہوتا۔ اور پتہ ہے کیا.... اب میں بھی زندگی میں کچھ بننا چاہتا ہوں۔ بڑا آدمی۔ اونچے خواب' اونچے مقصد رکھنے والا.... مجھے اپنے آپ کو کسی با مقصد کام کے لئے استعمال کرنا ہے اور....'' وہ جو آنکھوں میں نئے نئے خواب سجائے کہہ رہا تھا' ایک دم اس کے جوتے پہ کسی نے بوٹ رکھا تو وہ بلبلا کے کھڑا ہوا اور موبائل نیچے کیا۔ سامنے سیکرٹری کھڑا اسے گھور رہا تھا۔

''کیا ہوا سر؟'' وہ بوکھلایا۔

''تمہیں اب تک برداشت کر رہا ہوں میں لیکن یہ جو تم اوور اسمارٹ بن کے فاتح صاحب کے آگے پیچھے پھرنے کی کوشش کر رہے ہو... عبداللہ کی نوکری ہتھیانا چاہتے ہو تم کیا؟ ہاں؟''

''نن نہیں سر.... آپ کو غلط فہمی....'' وہ ہکلایا مگر سیکرٹری نے غصیلی نظروں سے اسے گھورتے ہوئے بوٹ سے اس کا انگوٹھا مزید زور سے دبایا۔ ''اس آفس میں بہت سے آئے اور بہت سے گئے۔ جو آتا ہے ''طاقت'' کا خواب لے کر آتا ہے اور میں اسے مکھی کی طرح نکال پھینکتا

ہوں۔اس لئے لمبے لمبے خواب مت دیکھو۔اپنے گنے چنے دن پورے کرو اور سر سے زیادہ فرینک نہ ہو۔ ورنہ ابھی عبداللہ کو کال کر کے بتا دوں گا کہ تم اس کی نوکری ہتھیانے کی کوشش کر رہے ہو۔وہ تمہاری جان لے لے گا۔سمجھ میں آیا؟"

"جی سر!" ایڈم نے نگاہیں جھکا دیں۔

"اب مجھ سے معافی مانگو!" نوجوان سیکرٹری اسے اسی طرح گھورتے ہوئے چبا چبا کے بولا تو ایڈم نے گلابی پڑتی آنکھیں اٹھائیں۔"سوری سر!اب ایسا نہیں ہوگا۔"

"ہوں!" وہ ہنکارا بھر کے مڑا اور بوٹ اس کے پیر سے ہٹا دیا۔ایڈم نے فون اوپر کر کے دیکھا۔کال ابھی تک ملی ہوئی تھی اور ماں یقیناً خاموشی سے سن رہی تھی۔اس نے فون کان سے لگایا تو وہ خود سے ہی کہنے لگی۔

"لوگوں کی تنقید نہ ہو تو کوئی آگے بڑھ ہی نہ سکے۔تم دیکھنا' اللہ تمہیں دوہرا بخت لگائے گا ایڈم۔تم ایک دن دنیا پہ حکومت کرو گے۔یہ تمہاری ماں کی دعا ہے۔" اس نے جواب نہیں دیا اور فون بند کر دیا۔وہ جانتا تھا وہ صرف اس کا دل رکھنے کے لئے کہہ رہی ہے' ورنہ آج کل کے دور میں سونے کے ہرن اور زم زم کے کنویں کسے ملتے تھے؟

☆☆=========☆☆

اس نے دیکھا.....

کہ وہ کیچڑ آلود زمین تھی۔وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے تھے...چار پانچ درختوں میں گھرے ہوئے...بارش تڑا تڑ برس رہی تھی....

وہ درخت سے ٹیک لگائے اکڑوں بیٹھا تھا اور اسے پتلیاں سکوڑ کے چبھتی نظروں سے دیکھ رہا تھا.....وہ سامنے کیچڑ پہ بیٹھی تھی...اس کے منہ پہ مٹی لگی تھی...الجھے سنہرے بال گرد آلود تھے...چہرے پہ زخم کے نشان تھے...کپڑے پھٹے پرانے تھے...وہ بھی فاتح کو ان ہی نظروں سے دیکھ رہی تھی...اور بازوؤں میں کچھ پکڑے بیٹھی تھی.....

ایک ننھا ہرن تھا وہ......وہ اس کو اپنے بازوؤں میں زبردستی جکڑے ہوئے تھی۔ہرن کسمسا رہا تھا' پھڑ پھڑا رہا تھا' مگر تالیہ نے اپنا کیچڑ آلود پاؤں اس جانور کی گردن پہ رکھا ہوا تھا۔

"آپ نے مجھ سے پوچھا تھا...یاد ہے...." وہ نظریں اس پہ جمائے کیچڑ پہ رکھا چاقو اٹھاتے ہوئے غرائی تھی۔"کہ تاشہ تمہارے ٹیلنٹ کیا ہیں؟ تمہاری زندگی میں کامیابیاں کیا ہیں؟تمہیں کیا آتا ہے؟" وہ ایک ایک لفظ چبا چبا کے ادا کر رہی تھی۔چاقو اب ہرن کی گردن سے لگا لیا تھا' نظریں فاتح کے چہرے پہ مرکوز تھیں۔

"مجھے....یہ آتا ہے۔" اور ساتھ ہی چاقو تیزی سے ہرن کی گردن میں گھونپ دیا۔معصوم جانور چلایا...تڑپا...خون کے تازہ چھینٹے فاتح کے چہرے اور شرٹ پہ آگرے۔اس نے آنکھیں بند کر لیں اور سر جھٹکا۔بولا کچھ نہیں.....

ہرن تڑپ رہا تھا...خون بہہ رہا تھا...اس کے کپڑے...زمین...سرخ خون سے رنگین ہوتی جا رہی تھی....

وہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔ گھبرا کے ادھر ادھر دیکھا۔

بیڈ روم تاریک تھا۔ وہ اکیلی تھی۔ اے سی چل رہا تھا اور آرام دہ ٹھنڈے ماحول میں سکون ہی سکون تھا۔ مگر اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ سارا جسم پسینے میں نہایا ہوا تھا۔ بال تک گیلے ہو گئے تھے۔ وہ تیزی سے بستر سے اتری اور لیمپ جلایا۔ زرد روشنی تاریکی میں گھل کے کمرے کو نیم روشن کر گئی۔ اس نے بے اختیار اپنے ہاتھ دیکھے۔ اپنے کپڑے جھاڑے۔ کوئی خون' کوئی جانور... کچھ بھی تو نہ تھا۔

تالیہ نے سر ہاتھوں میں گرا لیا اور بیڈ کنارے بیٹھتی چلی گئی۔ ایسا پہلی دفعہ ہوا تھا۔ ایسے بھیانک 'خوفزدہ کرنے والے خواب وہ پہلے نہیں دیکھا کرتی تھی۔ اسے ان سے کبھی ڈر نہیں لگا تھا۔ پھر اب کیا ہو رہا تھا۔

☆☆=========☆☆

آرٹ گیلری اس شام اپنی مرمریں راہداریوں کے ساتھ چمکتی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔ دور دور تک دیواروں پہ آویزاں پینٹنگز... شیشے کے چوکھٹوں میں نمائش کے لئے لگائے گئے نوادرات.... بڑے ہال نما کمرے کی چھت دو منزلیں اوپر تھی۔ کسی شاپنگ مال کی طرح فرش پہ کھڑے ہو کر گردن اٹھاؤ تو اوپری دونوں منزلوں کی چوکور بالکونیاں اور ان میں ٹہلتے لوگ صاف دکھائی دیتے تھے۔ سیاح اور آرٹ کے قدردان رک رک کر نمائشی شہ پارے دیکھ رہے تھے۔

ایسے میں اوپری منزل پہ کارنر آفس کے اندر خوشگوار ماحول میں میٹنگ جاری تھی۔ کنٹرول چیئر پہ عصرہ محمود بیٹھی تھی۔ ماتھے پہ کٹے بال سامنے کیے' اور باقی کو فرانسیسی جوڑے میں گوندھے اس نے اسکرٹ کے اوپر گرے منی کوٹ پہن رکھا تھا۔ بڑی بھوری آنکھوں میں مسکراہٹ لئے' وہ ہاتھ باہم ملائے' آگے کو ہو کر بیٹھی کہہ رہی تھی۔

"میں آپ کی اس عنایت کی جتنی قدر کروں کم ہے۔ ہم اس پینٹنگ کو نیلامی میں رکھیں گے اور اس سے حاصل ہونے والی رقم کا چوتھا حصہ خیراتی اداروں کو بھیجا جائے گا۔ اللہ آپ سے قبول کرے۔"

سامنے حبشی صورت سوٹ میں ملبوس لمبا تڑنگا آدمی بیٹھا تھا جس کی فرنچ داڑھی تھی اور اس کے آگے پیچھے تین چار افراد بیٹھے تھے۔ ان میں سے ایک اشعر بھی تھا۔ وہ بس مسکرا کے ساری کارروائی دیکھ رہا تھا۔ عصرہ کی سیکرٹری عصرہ کے پیچھے مستعد سی کھڑی تھی اور میز پہ ایک بڑا سا لکڑی کا ڈبہ رکھا تھا جس کے اندر فریم میں یقیناً ایک پینٹنگ تھی۔

"نوازش' میم!" وہ سر کو خم دے کر مسکرا کے بولا تھا۔ "یہ پینٹنگ ہمارے خاندان میں پچھلے ستر سال سے موجود ہے۔ تمام لیگل ڈاکومنٹس میں نے آپ کو دے دیے ہیں۔ Spoilum (چینی پینٹر) عموماً چینی اور مغربی تاجروں کے پورٹریٹ بناتا تھا مگر اس کا یہ کام "زخمی ہرن" اس کے دوسرے تمام کام سے مختلف ہے۔" پیچھے کھڑے گارڈ نے جھک کر ڈبے کا ڈھکن ہٹایا تو عصرہ کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ تمام بیٹھے ہوئے افراد بھی اٹھ گئے۔

پینٹنگ ایک درخت کی تھی جس کے تنے کے ساتھ ایک ہرن گرا پڑا تھا۔ اس کی گردن سے خون بہہ رہا تھا اور اس کی آنکھیں آسمان پہ

جمی تھیں۔ ان آنکھوں کی یاسیت ...ان کا کرب۔ عصرہ نے ستائش سے گہری سانس لی اور ہولے سے پینٹنگ کے شیشے کو چھوا۔ "دسمپانلم کی سب سے مزیدار بات یہ تھی کہ وہ ریورس گلاس پینٹنگ کرنا جانتا تھا۔ اس زمانے میں ...اٹھارویں صدی میں صرف مغربی پینٹرز اس میں مہارت رکھتے تھے۔ شیشے پہ الٹی تصویر بناتا اور پھر اس کو سیدھا کرتا ...سبحان اللہ۔" وہ تحسین سے کہہ رہی تھی۔ پھر اس نے سر اٹھایا اور مسکرا کے مہمانوں کو دیکھا۔

"میں فاتح کے لیے معذرت خواہ ہوں۔ وہ یقیناً ٹریفک میں پھنس گیا ہوگا ورنہ وہ پہنچ جاتا۔ اس نے وعدہ کیا تھا۔" پھر وہ ذرا ٹھہری۔ "اگر آپ تھوڑی دیر ٹھہر جائیں تو....."

"میری شدید خواہش تھی مگر کچھ کام ایسے آن پڑے ہیں کہ مجھے جانا پڑ رہا ہے۔ مگر آپ یہ نہ سمجھئے گا کہ یہ تحفہ کسی مطلب کے لئے ہے۔" وہ خفیف سا ہو کے بولا تو وہ مسکرا دی۔

"بالکل بھی نہیں۔" (اشعر کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔)

چند منٹ بعد جب تمام مہمان جا چکے تو عصرہ واپس کرسی پہ بیٹھی اور بے نیازی سے سیکرٹری کو اشارہ کیا۔ "ایکسپرٹس کو بلاؤ۔ وہ آئیں تو میں اس کام سے فارغ ہو جاؤں۔ جینوئن ہے تو ہم اس کو رکھیں ورنہ پھینک دیں۔"

"احسان صاحب اور رزاق صاحب باہر انتظار کر رہے ہیں۔"

"اور عبدالحلیم صاحب؟ ان کو نہیں بلایا؟"

"نہیں عبدالحلیم صاحب اور ملک سے باہر ہیں۔ صرف یہی دستیاب تھے۔"

"ٹھیک ہے ان کو بلاؤ۔" اس نے نخوت سے ہاتھ کا اشارہ کیا اور فون کو دیکھنے لگی۔ سیکرٹری جھٹ سے باہر نکل گئی۔

"فاتح کبھی میرا مان نہیں رکھ سکتا۔" وہ بے بسی بھرے غصے سے اشعر سے بولی تو وہ نرمی سے اسے تسلی دینے لگا۔

"کاکا.....اچھا ہوا کہ آ بنگ نہیں آیا ورنہ شاید ان کی شان میں صاف گوئی سے پھا یسا کہہ دیتا کہ الٹا ہمیں ان کو دو چار اسٹیکس دے کر بات ختم کرنی پڑتی۔" اس کے انداز پہ وہ بے ساختہ ہنس دی۔

☆☆=========☆☆

چند میل دور....حالم کے بنگلے پہ وہ صبح تازہ پھولوں کی خوشبو میں رچی بسی جلوہ گر ہوئی تھی۔ اور لاؤنج میں داتن نے مہکتے گلاب لا کر رکھے تھے جنہوں نے سارے گھر کو مہکا دیا تھا۔ اور خود وہ اوپن کچن میں کھڑی کھانا بنا رہی تھی۔

تالیہ لاؤنج کے بڑے صوفے پہ بیٹھی بال باندھے پیر اوپر کیے ریموٹ سے چینل بدلے جا رہی تھی۔

"تم ڈسٹرب ہو۔"

"ہوں۔" اس نے اداسی سے ہنکارا بھرا۔ یاسیت بھری نظریں اسکرین پہ جمی تھیں۔ چہرہ زرد لگتا تھا۔ "میں نے خواب میں دیکھا...وہ

میرے سامنے بیٹھا ہے اور میں نے اس کے دیکھتے ہی دیکھتے ایک ہرن کو ذبح کر ڈالا۔"

داتن کے ہاتھ سے ڈوئی چھوٹ گئی۔ ہڑبڑا کے وہ پلٹی اور بے یقینی سے اسے دیکھا۔

"ہرن کو؟ ذبح؟" پھر اس نے جھرجھری لی۔ "شروع شروع میں جب میں مرغیاں پالتی تھی تو تم ایک آدھ کو ذبح کر لیتی تھیں مگر ہرن!"

"مجھے یہ سب چیزیں آتی ہیں داتن۔ خنجر کا استعمال' گن کا استعمال۔ ہاتھوں کا استعمال... مگر میں اس طرح کسی معصوم جانور کو نہیں مار سکتی۔" اس نے سر جھٹکا۔ پھر چونکی۔ "اور وہ مجھے تاشہ کہہ رہا تھا۔"

"ساشا؟" داتن کو لگا اسے سننے میں غلط فہمی ہوئی ہے۔ "وہ ساشا کے نام سے ایک آئی ڈی ہے نا تمہارے پاس۔"

"نہیں داتن۔ اس نے مجھے تاشہ کہا۔ بلکہ میں نے خود اسے بتایا کہ اس نے مجھے یہ کہہ کر کچھ پوچھا تھا... خیر..." اس نے سر جھٹکا۔ "میں نے اسے ہرن ذبح کر کے بتایا کہ یہ میرا ٹیلنٹ ہے۔ مگر یہ کیا بات ہوئی؟ خواب تو علامتی ہوتے ہیں نا تو پھر یہ سب کیا تھا؟" وہ الجھی ہوئی تھی۔

"تمہارا ٹیلنٹ کیا ہے؟" اس سوال پہ اس کا چہرہ زخمی سا ہو گیا۔

"لوگوں کو دھوکہ دے کر پیسے بٹورنا اور چوریاں کرنا۔" وہ تلخ ہوئی۔

"مگر اس کے علاوہ تم ایک اچھی آرٹسٹ بھی ہو' آرٹ کی پہچان ہے تمہیں اگر تم کسی یونیورسٹی میں یا کسی آرٹ میوزیم میں بطور ایکسپرٹ کام کرو تو بہت پیسے بنا سکتی ہو۔ یونو اصلی اور نقلی آرٹ کی تصدیق بہت کٹھن کام ہوتا ہے۔"

"جانے دو۔ اس کا میرے خواب سے کیا تعلق؟ خیر۔ آج ہم پلان ڈی کی طرف آئیں گے۔" اس نے ریموٹ سے ٹی وی بند کیا اور تمام الجھنوں کو گویا جھٹک کے مکمل طور پہ داتن کی طرف متوجہ ہوئی۔

"مسز یاسمین اور مسز فوزیہ کس وقت گیلری جائیں گی؟"

"میں نے تمہارے نمبر سے ان دونوں کو میسج کر کے آج شام کا کہا تھا۔ مگر تالیہ..." داتن چین ڈھک کے سامنے آئی اور فکرمندی سے اسے دیکھا۔ "تم ان کے ساتھ گیلری جاؤ گی تو وہ وہاں کسی کو بھی بتا دیں گی کہ تم تالیہ مراد ہو۔"

"ہاں تو وہ کس تالیہ مراد کو جانتی ہیں؟ امیر کبیر سوشلائیٹ اور آرٹ کی قدر دان تالیہ کو جانتی ہیں نا وہ۔ ان کو یہ تو نہیں معلوم کہ میرا اصل ذریعہ آمدنی کیا ہے۔ اور میں نے جن علاقوں میں ویٹرس یا نوکرانی بن کے کام کیا ہے وہ یہاں سے کافی دور ہیں' اور وہ اپر مڈل کلاس ہے۔ تالیہ مراد ہائی ایلیٹ میں موو کرنے والی لڑکی ہے جس کے بال سنہری ہیں اور جو صرف ڈیزائنر ڈائمنڈز پہنتی ہے۔"

"یہی تو میں کہہ رہی ہوں کہ مسز عصرہ سے بریسلیٹ چرانے کے لیے تم نے اگر grifter ہی بننا ہے تو کوئی اور روپ دھار لو۔"

(Theif وہ چور ہوتا ہے جو خاموشی سے مال چرا کے لئے جاتا ہے' اور گرفٹر وہ ٹھگ ہوتا ہے جو کوئی کردار اپنا کے' بھیس بدل کے کسی کے پاس جاتا ہے اور اپنی چرب زبانی سے ان سے مطلوبہ مال لوٹتا ہے جیسے بزنس انویسٹمنٹ کا جھانسہ دینا وغیرہ)

"میں کبھی گرفٹنگ نہیں کرتی داتن۔ وہ تم کرتی ہو۔ میرا چہرہ کے ایل کے اس علاقے میں ایک امیر سوشلائیٹ کے طور پہ مشہور ہے جو اپنے باپ کی دولت خرچ کررہی ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ کل کو جب میں یہ کام چھوڑوں تو کوئی مجھے پہچان لے۔ ابھی تک تالیہ نے کسی کے ساتھ grifting نہیں کی۔" وہ بے فکر تھی۔ جیسے برستی بارش میں کوئی کھلے آسمان تلے خوش باش مراقبے میں بیٹھا ہو۔

"مگر تم نے نوکرانی کا رول ادا کرنے کے لئے یہ نام استعمال کیا تھا تالیہ۔"

"مجھے اچھا لگ رہا تھا اپنے نام کے ساتھ وہ اچھے القابات سننا' مگر اس میں میرا حلیہ بالکل مختلف تھا۔ اور اب بھی میں ساشا یا کچھ اور بن کے نہیں جاؤں گی۔ میں تالیہ مراد ہی بن کے جاؤں گی۔" وہ مطمئن بیٹھی تھی۔ مگر داتن نے اسی بے چینی سے اسے دیکھا۔

"تم نے مسز عصرہ کو جوس سرو کیا تھا' اگر اس نے پہچان لیا؟"

"اوہ داتن.... ہم روز ریسٹورانٹ میں درجنوں ویٹرز کو دیکھتے ہیں۔ ایک دو سیکنڈ کے لئے ایک ہی یونیفارم میں ملبوس ایک عمر کی تین چار لڑکیوں کو دیکھ کر کوئی بعد میں نہیں پہچان سکتا۔ عصرہ دن میں دس جگہوں پہ جاتی ہیں اور انہوں نے مجھے دیکھا ضرور تھا' نظر نہیں ملائی تھی۔ کسی کو بھی میں یاد نہیں ہوں گی' لائیٹس بھی ڈم تھیں۔ رہے ان کے ملازم تو وہ کوئی اتنے ذہین فطین عقابی نظروں کے مالک نہیں تھے کہ مجھے پہچان لیں۔" وہ ہاتھ ہلاتے ہوئے بات کرتی تھی۔ جیسے ہواؤں میں ان دیکھے تال چھیڑ رہی ہو۔ جیسے کوئی جادوگر سارے جادو بکھیر کے ہر چیز طے کیے بیٹھا ہو۔

"تو اب تم باقاعدہ عصرہ سے ملنے جارہی ہو! مگر تم کیا کہو گی؟"

تالیہ کے چہرے پہ آسودہ سی مسکراہٹ بکھر گئی اور وہ پیر نیچے اتارتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ "میں نے کچھ نہیں کہنا۔ جو کہنا ہے میرے ڈائمنڈز نے کہنا ہے۔ تم کھانا بناؤ' میں بال ڈائی کر کے واپس تالیہ مراد بن جاؤں۔' اور پیروں میں چپل گھسیٹتی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔

پیچھے دیگچی میں تلنے کی خوشبو آنے لگی تو داتن ہڑبڑا کے اس طرف لپکی۔

☆☆=========☆☆

ایکسپرٹس پینٹنگ کی تصدیق کر کے جا چکے تھے اور اب عصرہ اور اشعر آفس کے باہر بالکونی میں کھڑے تھے۔ یہ گول بالکونی تھی۔ درمیان میں خلا تھا جہاں سے نیچے کا مرمریں ہال اور اس میں ٹہلتے لوگ صاف دکھائی دیتے تھے۔ رنگ برنگی لڑکیاں لڑکے۔ بے فکر لوگ۔

"شکریہ ایش... تم نے آج میرے لیے اتنا وقت نکالا" وہ اس کی ممنون ہوئی تو ایش نے مسکراتے ہوئے اس کے کندھوں کے گرد بازو پھیلا لیا۔ "میں تمہارا بھائی ہوں' کاکا۔ کیسی باتیں کرتی ہو۔"

"شادی کرلو ایش!" وہ اس کے انداز پہ محبت سے بولی تو وہ ہلکا سا ہنس دیا۔

"جتنا تم مجبور کررہی ہو' میں واقعی اس بارے میں سوچنے لگا ہوں۔" وہ دونوں بالکونی کی ریلنگ کے ساتھ آمنے سامنے کھڑے تھے۔

"تمہاری بات نے میرا مان بڑھا دیا ہے۔" عصرہ کا چہرہ خوشی سے دمکنے لگا۔ "کوئی ڈھونڈ رکھی ہے تو مجھے ملوا دو اس سے۔ میں امریکہ

جانے سے قبل تمہاری یہ خوشی دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"نہیں کا کا۔" اس نے تاسف سے سر جھٹکا اور نیچے ہال میں چلتے پھرتے لوگوں کو دیکھنے لگا۔ "میرے حلقہ احباب میں نامکمل لڑکیاں ہیں۔ جو حسین ہے اس میں وقار نہیں ہے۔ جس میں وقار ہے اس کا خاندان اعلیٰ نہیں ہے۔ جس میں یہ سب کچھ ہے وہ ذہین نہیں ہے۔ اگر اشعر محمود کسی لڑکی کو ملک کی فرسٹ لیڈی بنائے گا تو اس کو پرفیکٹ ہونا چاہیے۔"

"اچھا۔ مثلاً اس کو کس طرح پرفیکٹ ہونا چاہیے؟" عصرہ محبت اور دلچسپی سے اس کو دیکھ کے چھیڑنے لگی۔

"اس کو...." وہ عام سے انداز میں بات کا آغاز کرنے لگا، مگر پھر ٹھہر گیا۔ نظر نیچے ہال کے دروازے سے اندر آتی تین لڑکیوں پہ پڑی۔ ان میں سے دو امراء کے کسی خاندان کی نک سک سے تیار معمولی شکل کی لگتی تھیں اور تیسری.... وہ لمحے بھر کو بالکل مبہوت ہو گیا۔ "اس کو...." اس نے نظریں اس پہ ٹکائے الفاظ جوڑنے چاہے۔ "اس کو منفرد ہونا چاہیے۔"

وہ پیر تک آتی سفید اسکرٹ اور سفید بلاؤز میں ملبوس تھی۔ جل پری کا سا لباس۔ بالکل سفید۔ کندھوں پہ چھوٹا سا سرخ مٹی کوٹ پہن رکھا تھا۔

"اور وہ بے حد حسین ہو...."

اس کے سیدھے سنہری بال تھوڑی سے نیچے تک آتے تھے۔ گوری سرخ رنگت، سیاہ آنکھیں، وہ ساتھ والی خاتون کی بات پہ مسکرا رہی تھی اور گال میں ڈمپل پڑ رہا تھا۔

"اور کافی دولت مند بھی ہو۔"

لڑکی نے کانوں میں موٹے موٹے نازک سے سرخ یاقوت جڑے ایئر رنگز پہن رکھے تھے اور یہاں سے بھی وہ دیکھ سکتا تھا کہ اس کی انگلی میں موٹے سے Solitaire ہیرے والی انگوٹھی تھی۔ کہنی پہ سفید ہینڈ بیگ ٹکا تھا۔

"اور اس کے ہر انداز سے اس کے اعلیٰ خاندان کا پتہ چلتا ہو۔ ریگل۔ ریگل سی لڑکی ہو وہ...." اس کے ساتھ والی خواتین خوش گپیاں کرتیں آگے بڑھ گئیں مگر وہ پہلی پینٹنگ کے سامنے کھڑی ہو گئی اور اردگرد سے بے نیاز پوری توجہ سے اس آرٹ کو دیکھنے لگی۔

"اور ذہین بھی ہو!" وہ پہلی پینٹنگ کے سامنے سے جلد ہی ہٹ گئی البتہ اگلی کے سامنے ٹھہر گئی۔ لبوں پہ مسکراہٹ آئی۔ اشعر نے دیکھا، وہ عام کو نظر انداز کر کے خاص اور قدیم کے سامنے رکی تھی۔ "کسی خوبصورت اور ذہین ہرنی کی طرح!"

"تم اس کو جانتے ہو؟" عصرہ نے اس کے قریب ہو کے سرگوشی کی تو اس نے چونک کے عصرہ کو دیکھا پھر ذرا خجل ہوا۔ "اوہو کا کا۔ میں تو یونہی ایک بات کر رہا تھا۔"

"اگر تمہیں وہ پسند آ گئی ہے تو مجھے بتاؤ۔" وہ مسکراہٹ دبا کر بولی تھی۔ اشعر ہلکے سے ہنس دیا۔ پھر دوبارہ نیچے دیکھا۔ وہ ابھی تک اس پینٹنگ کو دیکھ رہی تھی۔

''ویسے کون ہے یہ کاکا؟'' عصرہ نے شانے اچکا دیے۔

''میں تو نہیں جانتی۔ تم خود پوچھ لو۔''

اشعر نے دور کھڑی سیکرٹری کو چٹکی سے ادھر آنے کا اشارہ کیا۔ وہ فوراً دوڑی چلی آئی۔

''یہ لڑکی کون ہے سفید لباس اور سرخ منی کوٹ والی۔ معلوم کر کے دو۔'' سنجیدہ صورت بنا کر اس نے سپاٹ انداز میں حکم دیا تو وہ فوراً

''یس سر'' کہتی سیڑھیوں کی طرف دوڑی۔

گیلری کے باہر ایک کافی شاپ کے برآمدے میں چھتری تلے بیٹھی داتن گرما گرم کافی پی رہی تھی۔ بارش ابھی تھمی تھی اور موسم ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ ساتھ ہی وہ کان میں لگے ننھے ٹکڑے کو دبا کے کہہ رہی تھی۔ ''اور تمہیں کیوں لگتا ہے کہ تم عصرہ سے ملاقات کر لو گی۔''

اندر پینٹنگ کے سامنے کھڑی تالیہ نے ہونٹوں کی کم سے کم جنبش کے ساتھ جواب دیا۔ ''کیونکہ میرے ڈائمنڈز اسے متوجہ کر لیں گے۔ وہ ابھی بھی اوپر کھڑی مجھے ہی دیکھ رہی ہے۔ ساتھ اس کا بھائی بھی ہے۔''

''بس خدا کرے اس نے اس سنگاپوری تاجر کی بیوی کو کبھی یہ یاقوتی سیٹ پہنے نہ دیکھا ہو جس سے ہم نے یہ چرایا تھا۔''

''خدا کی قسم داتن! اگر تم نے مجھے اس سچویشن میں ہنسانے کی کوشش کی تو میں تمہارا کھانا پینا بند کر دوں گی۔'' وہ بدقت مسکراہٹ دبا کے بولی تھی۔ ''اور تیر نشانے پہ لگا ہے۔ عصرہ کی سیکرٹری مسز یاسمین کے ساتھ کھد بد کرتی نظر آ رہی ہے۔ یقیناً میرا ہی پوچھ رہی ہو گی۔ اور مسز یاسمین معصوم سی ہے جو امپریشن میں نے بنا رکھا ہے اس کو بڑھا چڑھا کے بتائے گی۔'' وہ کنکھیوں سے ان دونوں کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ نظریں پینٹنگ پہ جمی تھیں۔ پھر جیسے ہی اس نے دیکھا کہ یاسمین خاموش ہوئی ہے اور سیکرٹری سر ہلا کے مڑنے کو ہے وہ ایک دم گھومی اور چند قدم چل کے ان کے قریب آئی۔

''سنو تم... تم یہاں کام کرتی ہو؟'' سنجیدگی سے اسے مخاطب کیا تو سیکرٹری نے پہلے یاسمین کو دیکھا جو اپنی جگہ جز بز ہوئی تھی اور پھر تالیہ کو۔ ''جی۔''

''مجھے یہ پینٹنگ خریدنی ہے۔ ابھی۔ اسی وقت۔'' اس کے انداز میں ایک شاہانہ پن سا تھا۔

''یہ تو... کافی... آ...'' وہ ہکلائی۔ ''قیمتی ہے اور اس طرح ان کو بیچا نہیں جاتا لیکن...''

''قیمت کا مسئلہ نہیں ہے۔ میں ہر قیمت ادا کرنے کے لئے تیار ہوں۔'' تالیہ نے اسی شاہانہ انداز میں ہاتھ جھلا کے جیسے اس کے خدشے کو رد کیا تھا۔ ''متعلقہ آفیسر کو میرے پاس بھیجو۔ مجھے یہ ابھی چاہیے۔'' اور بے نیازی سے واپس پلٹ کر اسی پینٹنگ کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ سیکرٹری کچھ مرعوب، کچھ کنفیوز سی واپس اوپر بھاگی۔

''اس کا نام تالیہ مراد ہے۔ باپ مرتے وقت لمبی چوڑی جائیداد چھوڑ گیا تھا اس نے چند نامور کمپنیز میں انویسٹمنٹ کر رکھی ہے اور ان شیئرز کی خرید و فروخت کے منافع سے کافی آسودہ زندگی گزار رہی ہے۔'' سیکرٹری اب ان دونوں کے ساتھ کھڑی دھیمی آواز میں بتا رہی تھی

۔اشعر کی نظریں نیچے ہال پہ جمی تھیں جہاں وہ اس جانب کمر کیے پینٹنگ کے مطالعے میں محو تھی۔ عصرہ سینے پہ بازو لپیٹے بنا کسی تاثر کے سنتی رہی۔ "یہ ایک سوشلائیٹ ہے (ایسی عورتیں جو بے پناہ دولت ہونے کے باعث سارا وقت پارٹیز اور فنکشنز اٹینڈ کرنے میں گزارتی ہیں۔) مختلف چیئریٹی ایونٹس میں بھاری ڈونیشن بھی دیتی رہی ہے۔ آرٹ کلیکٹر ہے۔ اور میم ...." وہ کھنکھاری۔ "وہ اس پینٹنگ کو خریدنا چاہتی ہے۔"

"اس پینٹنگ کو؟" عصرہ نے بازو گرائے اور تعجب سے ابرو اٹھایا۔ "لینگ مئے کی اس پینٹنگ کو وہ خریدنا چاہتی ہے؟ اس کو اس کی قیمت معلوم بھی ہے۔"

"بیچ دو۔" اشعر نے اطمینان سے عصرہ کی آنکھوں میں دیکھا اور دھیما سا بولا۔ "اس کو جو چاہیے اس کو فروخت کرو، کاکا۔"

عصرہ نے ایک نظر اشعر کو دیکھا' اور دوسری نظر نیچے کھڑی لڑکی پہ ڈالی جواب گردن ترچھی کر کے پینٹنگ کو بغور دیکھ رہی تھی۔ پھر گہری سانس لی اور تحکم سے بولی۔ "اسے اوپر بلاؤ۔"

سیکرٹری نے جب تالیہ کے قریب آ کر یہ پیغام دیا تو وہ چونکی' پھر گھوم کے اوپر دیکھا۔ دونوں بہن بھائی وہاں کھڑے تھے مگر بظاہر آپس میں بات چیت کر رہے تھے۔ تالیہ اسی سنجیدگی سے سیکرٹری کے پیچھے چل دی۔ کان میں داتن کی محظوظ آواز گونجی۔

"تیر نشانے پہ لگ چکا ہے۔ عصرہ سے ہاتھ ملانا اور اس کے ہاتھ سے بریسلیٹ اتار لینا۔ ہائے۔ مجھے وہ وقت یاد آ گیا جب ہم غریب تھے اور کے ایل کے بازاروں میں عورتوں سے ٹکرا کے معذرت کرتے اور ان کے زیور اتار لیتے تھے۔ یہ بھی ویسا ایک آرٹ ہے تالیہ۔ اتنی احتیاط اور نزاکت سے کسی کے ہاتھ سے زیور اتارنا کہ اسے محسوس ہی نہ ہو۔ چوروں کی کوئی ایوارڈز کی تقاریب کیوں نہیں ہوتیں؟ میں آدھ درجن تو جیت ہی جاتی۔"

"تمہارے جیتنے سے پہلے آدھے چور ایوارڈز چرا کے ہی لے جاتے۔" کہہ کے بدقت اس نے ہنسی دبائی اور سنجیدہ چہرہ بنائے سیکرٹری کے پیچھے چلتی گئی۔

"یہ مس تالیہ مراد ہیں' میم۔" سیکرٹری نے اس کے قریب آنے پہ تعارف کروایا تو وہ دونوں بہن بھائی اس کی طرف گھومے۔ سامنے کھڑی سفید لمبی اسکرٹ اور سرخ منی کوٹ والی لڑکی کی خوبصورت آنکھوں میں خوشگوار حیرت در آئی تھی۔ "مسز عصرہ فاتح۔ آف کورس۔ یہ تو آپ کی گیلری ہے۔ مجھے خیال کیوں نہیں آیا کہ آپ سے بھی ملاقات ہو سکتی ہے۔" وہ متاثر اور خوش سی آگے بڑھی اور مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ عصرہ مسکرائی (اس نے تنکو کامل کی نوکرانی کو نہیں پہچانا تھا) اور اس کا ہاتھ تھاما۔

"میں نے فاتح رامزل کو ووٹ دیا تھا۔ باریسن نیشنل کو۔" وہ گرمجوشی مگر وقار سے عصرہ کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں تھامے بولی اور انگلیاں طلائی بریسلیٹ کی طرف بڑھائیں۔ جیسے ہی اس کے پوروں نے بریسلیٹ کی زنجیر کو چھوا' اسے کرنٹ سا لگا۔ زنجیر دہکنے لگی تھی۔ گرم جیسے سونا ابل رہا ہو۔ ایک دم اس نے ہاتھ پیچھے ہٹایا۔ عصرہ چونکی' مگر وہ فوراً سے سنبھل گئی اور جبراً مسکرائی۔ "فین مومنٹ۔ یو نو۔" رنگت ذرا

پھیکی پڑی۔ ایک چور نظر اس کی کلائی پہ ڈالی۔ بریسلیٹ چمک رہا تھا۔ تیز روشن سا۔ مگر عصرہ اس کی طرف متوجہ نہ تھی۔ تالیہ کو ذرا سے گرمائش محسوس ہوئی تھی۔ اس کی نظر تالیہ کے کانوں سے لٹکتے سرخ یاقوت پہ جم گئی تھیں۔ آنکھیں چمکیں۔

"مصباح کہہ رہی تھی آپ اس پینٹنگ میں انٹرسٹڈ ہیں۔" اشعر پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے خاموشی سے دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

"جی بالکل۔" وہ انگلی سے سنہری بال پیچھے ہٹاتے ہوئے مسکرائی۔ "مجھے قدیم چینی پینٹرز کا کام بہت نفیس نیٹ کرتا ہے۔ میرے بیڈروم میں صرف چینی آرٹ ورک ہے۔ پورسلین اور چینی پینٹنگز۔"

"مگر یہ پینٹنگ برائے فروخت نہیں ہے۔" عصرہ اسی اطمینان سے مسکرا کے بولی۔ تو اشعر نے بے اختیار اسے دیکھا۔ نظروں میں تنبیہ کی مگر وہ تالیہ کو دیکھ رہی تھی۔

"میں اس کو نیلامی میں رکھ رہی ہوں۔ آپ نیلامی میں آئیں اور دوسرے لوگوں کی طرح بولی لگائیں۔ اگر آپ کی قیمت اچھی ہوئی تو آپ اس کو جیت لیں گی۔" اشعر نے ضبط سے گہری سانس لی۔ اور دانت اس کے کان میں بولی۔

"چالاک بزنس وومن ہے یہ خاتون۔ معلوم ہو گیا کہ تمہیں پینٹنگ پسند آ گئی ہے تو اب قیمت بڑھوا رہی ہے۔ نیلامی والے دن یہ اپنا بندہ بٹھا دے گی جو بولی لگا لگا تا قیمت کو لاکھوں میں لے جائے گا اور تم دس گنا قیمت پہ خریدنے پہ مجبور ہو گی۔ خیر بریسلیٹ چرا لیا ہے تو نکل آؤ' کیونکہ باہر فاتح رامزل کی گاڑیوں کا قافلہ آ رہا ہے۔"

"شیور۔ میں آکشن میں خرید لوں گی اور مجھے معلوم ہے کہ میں اسے خرید لوں گی۔" وہ جبراً مسکرا کے بولی تو عصرہ کھلے دل سے مسکرائی۔ "آپ سے مل کر اچھا لگا تالیہ۔ مصباح پلیز ان کو انویٹیشن کارڈ لا کر دو' اور گیسٹ لسٹ میں ان کا نام ڈالو۔" پھر اشعر کو دیکھا اور اسی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "تالیہ' یہ میرا بھائی ہے اشعر محمود۔ آپ یقیناً ان کو جانتی ہوں گی۔" ٹو پیس' ٹائی' ہیئر موز سے ماتھے کے اوپر کھڑے بال' اور وجیہہ چہرے کی مسکراہٹ۔ تالیہ نے پہلی دفعہ نگاہیں پھیر کے اشعر کو دیکھا۔ جبراً مسکرائی اور سر کو خم دیا۔

"ان کو کون نہیں جانتا۔" اشعر جو پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا تھا اس بات پہ ہلکا سا ہنس دیا۔

"میں اس کو تعریف سمجھوں گا۔" پھر اسی محظوظ انداز میں اسے دیکھ کر پوچھنے لگا۔ "تو آپ کیا کرتی ہیں' تالیہ؟"

"میں مختلف کلبز کی ممبر ہوں' چند کارپوریٹ شیئرز کی مالک ہوں' پارٹیز' چیریٹیز۔ مصروف زندگی گزر رہی ہے۔" وہ کنکھیوں سے دیکھ سکتی تھی کہ گیلری کا مرکزی دروازہ کھلا تھا اور اندر چند افراد داخل ہوئے تھے۔ سوٹ میں ملبوس باڈی گارڈز۔ اور ان کے درمیان مسکرا کے قدم اٹھاتا فاتح رامزل۔ اس کے دل کی دھڑکن تیز ہوئی۔

"ماشاءاللہ۔ امپریسیو۔" اشعر نے ستائشی انداز میں ابرو اٹھائے۔

"اور آپ کو آرٹ کلیکشن کا شوق بھی ہے۔" عصرہ نے ایک نظر نیچے ڈالی اور اسی بے نیازی سے واپس تالیہ کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"بہت زیادہ۔"

"ڈسٹس گڈ۔ پھر تو آپ کو آرٹ کی قدر ہوگی بہت۔ اِن فیکٹ...." اس کی آواز میں دبا دبا سا جوش بھرا۔ "ہمارے پاس سپائلم کی ایک پینٹنگ بطور عطیہ آئی ہے اور میں اسے بھی نیلامی میں رکھ رہی ہوں۔"

"اچھا۔" وہ خوشگوار حیرت سے بولی۔ "کون سی پینٹنگ؟"

"گھائل غزال۔" تالیہ کی مسکراہٹ ایک دم غائب ہوئی۔ آنکھوں میں بے یقینی در آئی۔ "گھائل غزال؟"

"ہوں۔ تم دیکھنا چاہوں گی؟" کہنے کے ساتھ اس نے سیکرٹری کو ایک اشارہ کیا' پھر اشعر کو دیکھا۔ "تم اپنے بہنوئی کو اٹینڈ کرو اور ان کو بتاؤ کہ عرب مہمان جا چکے ہیں۔" دانت پہ دانت جما کے بولی اور سینے پہ بازو لپیٹے مڑ گئی۔ تالیہ فوراً اس کے پیچھے لپکی۔ اشعر بدمزہ ہو اگر گہری سانس لے کر مڑ گیا۔

"ایک منٹ... کیا اس نے کہا گھائل ہرن؟" کافی شاپ میں بیٹھی داتن کان میں لگا آلہ دباتے ہوئے چونک کے بولی۔ "مگر گھائل ہرن تو ہم نے اس عرب شہزادے کے جزیرے والے گھر سے چرایا تھا' اور اس کی جگہ تمہاری بنائی گئی نقلی پینٹنگ رکھ دی تھی۔"

"ہوں۔" وہ دبی آواز میں غیر آرام دہ سا بولی اور عصرہ کے پیچھے چلتی گئی۔ ذہن میں جھکڑ چل رہے تھے۔

"تالیہ اصلی گھائل غزال تو ہمارے پاس ہے' پھر مسز عصرہ کو عرب مہمان نے نقلی پینٹنگ کیوں عطیہ دی؟" داتن حق دق تھی۔ "ڈیڑھ سال سے اس عرب شہزادے نے پینٹنگ کی چوری کی رپورٹ نہیں کی تھی کیونکہ وہ اس کے باپ کی تھی اور وہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ اصلی پینٹنگ چوری ہو چکی ہے' باپ کی وجہ سے چپ رہا تو اب کیوں؟"

تالیہ خاموشی سے عصرہ کے ہمراہ آفس میں داخل ہوئی۔ سیکورٹی کے دو افسران وہاں کھڑے تھے اور پینٹنگ کو پیک کر رہے تھے۔ عصرہ نے ان کو اشارہ کیا تو وہ اسے دوبارہ سے واپس نکال کے سامنے رکھنے لگے۔

"واؤ۔" تالیہ مصنوعی ستائش سے کہتی قریب آئی اور جھک کے غور سے اسے دیکھا۔ "یہ آپ کو عطیہ کی گئی ہے۔"

"ہاں۔ آپ کو سپائلم کا کام پسند ہے؟"

"زیورس گلاس پینٹنگ میری پسندیدہ ہے مسز عصرہ۔" وہ اسی طرح جھکی کھڑی آنکھیں چھوٹی کر کے باریک بینی سے پینٹنگ کا جائزہ لے رہی تھی۔ کان میں داتن بولی۔ "یہ تمہاری والی ہے؟"

"ہوں!" تالیہ نے مثبت سا ہنکارا بھرا' پھر سیدھی ہوئی۔ "آپ نے اس کو کسی ایکسپرٹ سے authenticate کروایا؟"

"ہاں.... ابھی کچھ دیر پہلے کروایا ہے۔ یہ اصلی ہے۔" عصرہ مسکرا کے زور دے کر بولی۔ تو تالیہ بھی مسکرا دی اور پھر سے اس پینٹنگ کو دیکھا۔

"تالیہ... کوئی مسز عصرہ کو اسکام کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ خیر... یہ ہمارا مسئلہ نہیں ہے۔" داتن نے اپنی فکر کو خود ہی رد کر دیا۔ "تم بریسلیٹ لے کر نکل آؤ بس۔"

''اوکے۔میں چلتی ہوں اب۔'' وہ مسکرا کے مصافحہ کرنے آگے بڑھی تو دیکھا اس کے ہاتھ کے قریب آتے ہی بریسلیٹ کا سونا چمکنے لگا ہے۔تالیہ کا دل بیٹھنے لگا۔بس واجبی سا اس سے ہاتھ ملا کر واپس کھینچ لیا۔چمک ماند پڑ گئی جیسے بریسلیٹ ٹھنڈا پڑ گیا ہو۔

''اچھا لگا آپ سے مل کر تالیہ۔آکشن میں ملاقات ہوگی۔'' عصرہ خوش نظر آتی تھی۔وقار سے ایک ہاتھ بڑھا کے تالیہ کے کندھے کو دبایا' تو وہ پھیکا سا مسکرا دی۔تبھی دروازہ کھلا تو تالیہ کا دل دھڑکا۔البتہ وہ مڑی نہیں۔

''میں لیٹ ہو گیا؟ چلے گئے وہ صاحب؟'' وہ بے نیازی اور خوشگوار موڈ میں کہتا اندر داخل ہوا۔گارڈز باہر ہی رک گئے تھے اور اس کے ساتھ صرف اشعر اندر آیا تھا۔آتے ساتھ ہی اس نے ادھر ادھر گردن گھمائی۔''تو یہ ہان کا عطیہ۔'' میز کے کنارے وہ رکا اور ایک بے نیاز سی نظر اس پینٹنگ پہ ڈالی۔''کیا قصور تھا اس بے چارے جانور کا جو اس کو زخمی حالت میں پینٹ کرنا ضروری تھا؟'' وہ افسوس سے چچ کر کے بولا تھا۔عصرہ نے اسے گھور کر جب بولی تو آواز کافی شائستہ تھی۔

''یہ ہماری نیلامی کی سب سے قیمتی پینٹنگ ہوگی۔''

''ایک تو میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ لوگ ایک کینوس کے ٹکڑے پہ اتنا پیسہ کیوں لٹاتے ہیں؟ جبکہ کروڑوں انسان بھوک کا شکار ہیں' پڑھ نہیں سکتے اچھے کپڑے نہیں پہن سکتے اور.....'' وہ بدمزگی سے پینٹنگ کو دیکھ کے تبصرہ کر رہا تھا۔وہ ہنوز رخ موڑے کھڑی تھی۔

''اسی لئے بھائی' کاکا کی آکشن کا ایک بڑا حصہ چیریٹی میں جائے گا۔'' اشعر نے نرمی سے اسے ٹوکا۔فاتح نے ہنوز گردن جھکائے پینٹنگ کو دیکھتے شانے جھٹکے۔''واقعی؟ ویٹس گڈ عصرہ۔''

''فاتح ان سے ملو۔یہ تالیہ مراد ہیں۔'' عصرہ نے تالیہ کو یوں گومگو سا کھڑا دیکھا تو کھنکھار کے فاتح کو متوجہ کیا۔اس کے کہنے پہ اس نے نظر اٹھائی اور پھر دائیں طرف دیکھا۔وہاں سنہرے بالوں والی دراز قد لڑکی کھڑی تھی۔کندھوں پہ سرخ منی کوٹ پہنے' سفید پاؤں تک آتے لباس والی تالیہ نے نظریں اٹھائیں۔دونوں کی نگاہ ملی۔اشعر فوراً سے بولا۔''تالیہ ایک معروف سوشلائیٹ ہیں۔ایک وسیع وراثت کی مالک۔مختلف چیریٹیز اور آرٹ آکشن میں حصہ لیتی ہیں۔ہماری چیریٹی کی مستقبل کی ایک بڑی ڈونر بننے والی ہیں۔''

''اچھا۔'' وہ تالیہ کو دیکھ کے سادگی سے مسکرایا۔''سو آپ کیا کرتی ہیں تاشہ؟''

''تالیہ۔'' عصرہ نے ہلکے سے تصحیح کی مگر وہ متوجہ نہیں تھا۔تالیہ نے بدقت لب کھولے۔

''میں ایک کمپنی میں شیئر ہولڈر ہوں' سلیپنگ پارٹنر اور مختلف چیریٹیز میں ڈونیٹ کرتی رہتی ہوں۔''

''مگر یہ تو آپ کے ماں باپ کا پیسہ ہے نا۔وراثتی دولت۔اس کو خرچ کرنا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔آپ خود کیا کرتی ہیں۔آپ کے کیا ٹیلنٹس ہیں' کیا کامیابیاں ہیں؟'' وہ اسی سنجیدگی سے بولا تھا۔تالیہ کے سارے الفاظ ختم ہو گئے۔گلا سوکھنے لگا۔

''میں....سوشلائزنگ اور....''

''مطلب تم کچھ نہیں کرتیں تاشہ؟ کچھ بھی نہیں؟'' وہ متعجب ہوا تھا۔اتنا تیز بولتا تھا کہ سامنے والے کو جواب کا موقع ہی نہیں ملتا تھا۔

''کوئی زندگی میں بڑے گولز' بڑے خواب' کچھ نہیں ہیں تمہارے؟ Too Bad-انسان کو ایسے اپنی زندگی ضائع نہیں کرنی چاہیے۔'' عصرہ نے بے اختیار ماتھا چھوا مگر وہ اب اشعر کی طرف متوجہ تھا۔ ''تم ایک کام کرو' میرے ساتھ آفس آؤ' میں ...''

''میں چلتی ہوں۔'' وہ کہہ کر جلدی سے مڑ گئی اور باہر نکل آئی۔

گیلری میں آ کر چند گہرے سانس لئے۔ رنگت بے رنگ پڑ رہی تھی۔ دل عجیب سی کیفیت کا شکار تھا۔ بار بار کنپٹی کو چھوتی۔ کبھی گردن پہ ہاتھ رکھتی۔ فاتح کے ملازم گیلری میں گروہ کی صورت کھڑے تھے۔

وہ گیلری میں چلتی گئی۔ آنکھوں میں نمی در آئی تھی۔ رونے کا دل چاہ رہا تھا۔ انکھیوں سے اس نے دیکھا کہ ملازموں کے گروہ میں سے ایک شخص نے مڑ کے اسے دیکھا اور پھر اس کے پیچھے آیا۔ وہ پرواہ کیے بنا چلتی رہی۔

''بات سنیں۔'' الجھی ہوئی آواز میں وہ اس کے پیچھے آ کر بولا تو وہ بادل نخواستہ رکی اور پلٹی۔ وہ کوٹ اور شرٹ میں ملبوس عام شکل وصورت کا ملے نوجوان تھا۔ اس کا چہرہ دیکھ کے وہ چونکی۔ (یہ وہی ہے خواب والا۔ میں فاتح اور یہ۔ ہم تینوں کے سر پہ ہما تھا۔) مگر ظاہر نہیں کیا اور رکھائی سے بولی۔ ''آپ کون؟''

''میں .... فاتح صاحب کا باڈی مین ہوں۔ اس دن ہم تنگو کامل کے گھر آئے تھے۔ اصل میں وہ میری جاب کا پہلا دن تھا' پہلا دن کوئی نہیں بھولتا۔ میں نے آپ کو وہاں دیکھا تھا۔ ہے نا۔'' وہ الجھن اور ذرا جوش سے کہہ رہا تھا۔ ''آپ تنگو کامل کی ملازمہ ہیں نا؟''

تالیہ مراد اپنی جگہ بالکل سن کھڑی رہ گئی۔

''آپ کے بال فرق تھے' اور حلیہ بھی' مگر آپ وہی ہیں' ہے نا؟ اس دن آپ نوکرانی کیوں بنی ہوئی تھیں؟'' اس کے انداز میں سادگی اور تعجب تھا۔

تالیہ کی رنگت گلابی پڑنے لگی۔

☆☆=========☆☆

کوالالمپور سے چند گھنٹے کی مسافت پہ .... ملاکہ شہر میں ایک قدیم قلعہ واقع تھا۔ اس کی دیواریں گدلی اور خستہ حال تھیں۔ ایک اندرونی دیوار کے کونے میں چند الفاظ کھدے نظر آتے تھے۔ جیسے صدیوں پہلے کسی نے ہاتھ سے دیوار کے گارے میں نوکیلی شے سے لکھے ہوں جو گارا سوکھنے پہ وہاں امر ہو گئے تھے ......

وہ قدیم جاوی رسم الخط میں لکھی ایک طویل نظم تھی جس کے پہلے دو مصرعے بدقت پڑھے جا رہے تھے ....

''تاشہ کی یاد میں۔

وہ جو شاہزادیوں جیسی تھی ....

اور اس نے ایک غلام سے شادی کی تھی ....

Download These Beautiful PDF Books

Click on Titles to Download
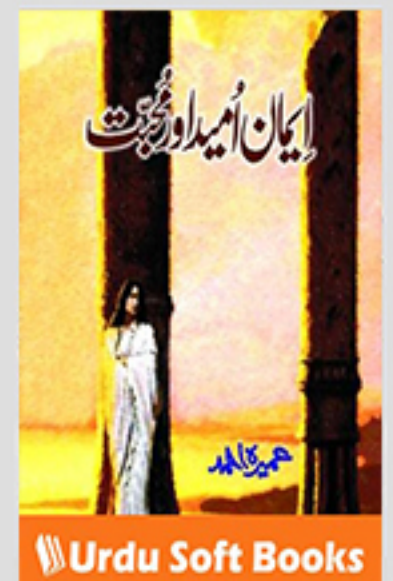
اور اس کو آزاد کر دیا..."

اگلے الفاظ دیوار کی کالک اور میل میں چھپ سے گئے تھے......

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

☆☆=========☆☆